© rasailojaraid.com

پشین گوئی کرتے تھے کچھ شبہ نہیں کہ وہ اسے بدفالی اور کسی حادثۂ عظیم کے واقع ہونے کا یقین ہونے کو یقین کرتے تھے جس طرح کہ تطیر سے بدفالی سمجھتے تھے۔

تفسیر کبیر میں زھری سے روایت لکھی ہے کہ چند آدمی رسول خدا کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ایک تارہ ٹوٹا آنحضرت نے پوچھا کہ تم زمانہ جاہلیت میں اسکو کیا کہتے تھے انہوں نے کہا کہ ہم کہتے ہیں کہ کوئی بڑا شخص مرجاوے گا یا حادثۂ عظیم پیدا ہوگا۔ غرض کہ اسکو زمانہ جاہلیت میں فال بد یا شگون بد سمجھتے تھے اس زمانہ کے لوگ کثرت سے تاروں کے ٹوٹنے کو شگون بد سمجھتے ہیں اس شیاطین الانس کے اعتقاد کی ناکامی کو ان کے کسی شگون بد سے تعبیر کرنے کے لیے خدا نے فرمایا کہ فاتبعہ شہاب ثاقب جو نہایت ہی فصیح استعارہ ہے منجمین کے وبال کے بیان کرنے کو اور جس کا مقصود یہ ہے کہ فاتبعهم الشوم والخسران والحرمان فيما املوا۔

سورہ جن میں انا لمسنا السماء کا لفظ ہے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ مس سے اشارہ طلب کیا جاتا ہے اور یہ قول منجمین کا ہے پس معنی یہ ہوئے کہ ہم نے ڈھونڈھا آسمان کو اس کو پایا بھرا ہوا حفاظ یعنی موانع شدید اور شہب یعنی وبال سے جن کے سبب ہم اپنے مقصد کو حاصل نہیں کر سکتے۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہم ملاء اعلیٰ کی باتوں کے سننے یعنی دریافت کرنے کو بیٹھتے تھے مگر اب قرآن سننے کے بعد اس کے لیے جو کوئی سنے یعنی دریافت کرنا چاہے ہم اس کے لیے شہاب یعنی وبال متعین پاتے ہیں پس ان تمام امور کو جنبہ مظنونہ اور مزعومہ سے منسوب کرنا جن کا وجود بھی قرآن مجید سے ثابت نہیں ہے کس قدر بے اٹکل اور رجما بالغیب بات ہے۔ فقد بر۔۔۔

☆☆

ایڈز .... دورِ جدید کا عظیم انسانی المیہ

محمد عارف خان ساقی
استاد شعبۂ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اسے شرف و بزرگی سے اور کرامت سے سرفراز فرمایا ہے (۱) انسانی حرمت و تقدس کا خود رب ذوالجلال کو پاس ہے اور پاس رکھنے والوں کو وہ محبوب رکھتا ہے۔ دوسری طرف طاغوتی طاقتیں انسان کو حیوانیت کی سطح تک گرادینے اور اس کی عظمت و تقدس کو پامال کرنے کے لئے اس کو بے راہ روی کا عادی بنانے پر اپنا زور اور تمام تر توانائیاں صرف کر رہی ہیں۔ مگر بھلے سے ان کے پاس منطقی دلیلوں کے انبار ہوں، آئینی، قانونی، سماجی اور مذہبی اداروں سے سندِ جواز بھی حاصل کر چکے ہوں، مگر من حیث القوم اس گھناؤنی حرکت کو قبول کرنے اور رائج کر دینے کا انجام بخیر نہیں ہو سکتا۔ اکثر ایسے موقعوں پر خدا کی بے آواز لاٹھی حرکت میں آجاتی ہے اور ان سرکشوں کا سر کچل ڈالتی ہے۔ فی زمانہ ایڈز وہی بے آواز لاٹھی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کیا جرم تھا جس نے اب کی بار خدا کی اس لاٹھی کو متحرک کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ '' جنسی بے راہ روی ''۔ اہل مغرب، جب کلیسا سے آزاد ہوئے تو گویا ہر چیز سے آزاد ہو گئے۔ مادر پدر آزاد۔ جنسی معاملات میں آزاد، ہم جنس پرستی میں آزاد۔ یہی نہیں بلکہ عریانیت ان کے یہاں ایک قیمتی صنعت کا درجہ حاصل کر گئی۔ یہیں پیدا ہوئی پھلی پھولی اور پھر یہ بھی آزاد ہو کر ملکوں ملکوں پھری۔ اور نوخیز بچوں کو اس نے قبل از وقت بالغ ہی نہیں جنس پرستی کی طرف راغب بھی کر دیا۔ کمپیوٹر نیٹ ورک کی جادو کاریاں اب کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

و الله يريد ان يتوب عليكم قف و يريد الذين يتبعون الشهوات ان تميلوا ميلا عظيما (۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تو چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی فرمائے اور شہوت کے رسیا چاہتے ہیں کہ تم اسی شہوت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی ہو کے رہ جاؤ۔

اللہ خالی ڈھیل ضرور دیتا ہے مگر جب پکڑ کرنے پر آتا ہے تو پناہ بھی کہیں نہیں ملتی۔ اس کا ارشاد ہے:

إن بطش ربك لشديد (۳)

ترجمہ: یقیناً تمہارے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔

پچھلی امتیں تو اس پکڑ سے خوب واقف تھیں۔ ان کا اجتماعی معاشرتی ضمیر جب بھی حدود اللہ سے تجاوز کرنے پر آمادہ ہوا، جب بھی ان کے دماغوں میں رشد و ہدایت کے الہامی ضابطوں سے بے نیازی کا سودا سمایا، شرف انسانی کے خلاف بہیمانہ جرائم کو جب بھی انہوں نے قومی ثقافت بنایا، یہ لاٹھی حرکت میں آ گئی۔ پھر سارے کس بل نکل جاتے یا صفحۂ ہستی سے ہی نابود ہو جاتے۔ طاعون کی وبا بھی سابقہ امتوں پر عذاب بن کر مسلط ہوتی رہی۔ حدیث شریف میں ہے:

قال رسول الله ﷺ ان هذا الطاعون رجز سلط على من كان قبلكم (۴)

ترجمہ: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ طاعون ایک عذاب ہے جو تم سے پہلے لوگوں پر مسلط کیا گیا تھا۔

اسی کی دھائی میں اللہ کی یہ بے آواز لاٹھی ایک بار پھر حرکت میں آئی اور دنیا بھر میں اس کی دھمک محسوس کی گئی۔ اب کی بار ایچ آئی وی یا ایڈز کی صورت میں یہ لاٹھی حرکت میں ہے۔ نیشنل ایڈز کنٹرول پروگرام، اسلام آباد، کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں:

ایچ آئی وی کا مطلب ہے: "انسانی قوت مدافعت میں کمی کا وائرس" یہ ایک ایسا وائرس ہے جو جسم کے مدافعتی نظام پر حملہ کرتا ہے۔ ایک عرصے کے بعد ایچ آئی وی جسم کو اس حد تک کمزور کر دیتا ہے کہ معمولی بیماری کے خلاف بھی مدافعت کی سکت نہیں رہتی۔ اور آخر کار متاثرہ شخص میں بیماری کی علامات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس کیفیت کو "ایڈز" کہتے ہیں۔ ایڈز کا مطلب ہے "مدافعتی نظام میں کمی کی علامات" جب کوئی شخص ایڈز کا شکار ہو جائے تو کوئی بھی بیماری اس پر آسانی سے حملہ آور ہو کر موت کا سبب بن سکتی ہے۔ (۵)

اب تک کروڑوں کی تعداد میں لوگ اس لاٹھی کی زد میں آ کر لقمۂ اجل بن چکے ہیں۔ ان گنت افراد اس سے متاثر ہیں۔ جبکہ روزانہ کم و بیش ہزاروں افراد اس کی زد میں آ کر گھائل ہونے والوں میں شامل ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ اس قدر موذی اور خطرناک مرض ہے کہ بارہ بجنے تک متاثرہ شخص کو نہ تو خود کسی طرح اس کے حملے کا ادراک ہو پاتا ہے نہ ہی کسی اور ذریعے سے اس کے متاثرہ ہونے کا پتہ چلایا جا

سکتا ہے۔ یہ اس کی تباہ کاریوں اور ہولناکیوں کی محض ایک ہلکی سی جھلک ہے۔ ورنہ اس کی روک تھام کے لئے سرگرم افراد اور اداروں کے بیان کردہ حقائق اس قدر روح فرسا ہیں کہ گنواتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا ہے۔

قرآن مجید نے ہماری عبرت اور نصیحت کی خاطر کئی مقامات پہ قوم لوط کی بداعمالیوں اور اس کے ہولناک انجام کا ذکر کیا ہے۔ انفرادی اور خفیہ عمل ہونے کے لحاظ سے تو یہ جرم اور بھی قدیم ہو سکتا ہے مگر دیدہ دلیری کے ساتھ اجتماعی اور علانیہ طور پر قوم لوط نے ہی پہلی بار اس جرم کا ارتکاب کیا تھا:

ولوطا اذ قال لقومه أتأتون الفاحشة ما سبقكم بها من احد من العلمين ، انكم لتأتون الرجال شهوة من دون النساء بل انتم قوم مسرفون ، وما كان جواب قومه الا ان قالوا اخرجوهم من قريتكم انهم اناس يتطهرون (۶)

ترجمہ: اور یاد کیجئے لوط علیہ السلام کو جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا تم شہوت رانی کی ایسی علت میں مبتلا ہو گئے ہو کہ جہاں میں تم سے پہلے کسی اور نے بھی ایسا نہ کیا تھا۔ تم عورتوں کے بجائے مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو یقینی طور پر تم ساری حدیں پار کر چکے ہو۔ آپ علیہ السلام کی قوم کے پاس کوئی جواب نہ تھا بجز اس کے کہ آپس میں کہنے لگے ان کو اپنے علاقے سے نکال دو، یہ لوگ بڑے پارسا بنے پھرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہادی نے ان کو اس بدعملی سے بہت روکا مگر وہ باز نہ آئے۔ اور جب آپ علیہ السلام کی تمام تر کوششوں کے باوجود وہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز آنے پر آمادہ نہ ہوئے تو خدا کی پکڑ میں آ گئے:

فلما جاء امرنا جعلنا عاليها سافلها وامطرنا عليها حجارة من سجيل لا منضود (۷)

ترجمہ: پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا، ہم نے اس بستی کو زیر و بالا کر دیا اور ان پر کنکریلے پتھر برسائے جو تہ بہ تہ تھے۔

دنیا کے ہر مہذب ملک اور معاشرے نے ہمیشہ بدکاری اور لواطت کو انسانیت کے خلاف بدترین اور گھناؤنا جرم ہی تصور کیا ہے۔ دین اسلام کا بھی اپنے ماننے والوں سے یہی تقاضا اور مطالبہ ہے کہ اس قابل نفرت سماجی بیماری اور برائی کے نہ صرف یہ کہ خود قریب نہ جائیں بلکہ اس کے خاتمے کے لئے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔ اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ قرآن حکیم نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی اس نوع کی بدعملی کے ہولناک انجام کا بڑا جامع نقشہ پیش کیا ہے۔ یہ عبرت دلانا مقصود ہے کہ جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کبھی بھی انسان نے بغاوت و سرکشی کی روش اپنائی اور اس برائی کے فروغ و حمایت پر کمربستہ ہوا تو اس جرم کی پاداش میں قادرِ مطلق نے اپنے کارخانۂ قدرت میں ڈھلے ہوئے تہ بہ تہ بم برسا کر وہ بستیاں کی بستیاں تباہ و برباد اور تہس نہس کر دیں کہ جہاں اس فعلِ بد کا بیج بویا گیا تھا۔

زنا کاری کو قرآن مجید نے بہت بیہودہ حرکت اور برا راستہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولا تقربوا الزنیٰ اله كان فاحشة ط وساء سبيلا (۸)

ترجمہ: زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، یہ بہت بیہودہ حرکت اور برا راستہ ہے۔

جبکہ لواطت اور ہم جنس پرستی اس کے مقابلے میں بھی بدرجہا بری اور بیہودہ حرکت اور ایک غیر فطری عمل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین بار دہرا کر اور زور دے کر فرمایا:

ملعون من عمل عمل قوم لوط (۹)

ترجمہ: ملعون ہے وہ جو قوم لوط والا عمل یعنی ہم جنس پرستی کرے۔

اسلام کے آنے کے بعد مردوں میں ہم جنس پرستی کا پہلا قضیہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ریکارڈ پر آیا۔ حضرت خالد بن ولید، مضافات عرب میں کسی جگہ جہاد میں مصروف تھے کہ انہیں اطلاع ملی کہ اس علاقے میں کوئی ایسا مرد بھی ہے جس کے ساتھ مرد حضرات اسی طرح شادیاں رچاتے ہیں جس طرح عورتوں سے شادی کی جاتی ہے۔ ان علاقوں میں جو نئی فتوحات کے نتیجے میں زیر نگیں آئے تھے، ابھی اسلام کی روشنی پوری طرح نہیں پہنچی تھی لہٰذا یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ وہ شخص مسلمان نہیں تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص کے بارے میں حکم شرع دریافت کرنے کے لئے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کبار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مشورے کے لئے طلب فرمایا اور صحابہ کرام کی مشاورت سے اس گھناؤنی حرکت کی سزا کا تعین ہوا۔ علامہ بیہقی سنن کبریٰ میں روایت کرتے ہیں:

ان خالدا كتب الىٰ ابى بكر الصديق رضى الله عنهما فى خلافته يذكر له انه وجد رجلا فى بعض نواحى العرب ينكح كما تنكح المرأة وان ابا بكر رضى الله عنه جمع الناس من اصحاب رسول الله ﷺ فسألهم عن ذلك. فكان من اشدهم يومئذ قولا على بن ابى طالب رضى الله عنه. قال ان هذا الذنب لم تعص به امة من الامم الا امة واحدة صنع الله بها ما قد علمتم. نرىٰ ان تحرقه بالنار. فاجتمع رأى اصحاب رسول الله ﷺ علىٰ ان يحرقه بالنار. فكتب ابو بكر رضى الله عنه الىٰ خالد بن

وليد يأمره ان يحرقه بالنار. (۱۰)

ترجمہ: کہ عہد صدیقی میں حضرت خالد بن ولید نے آپ رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ مضافات عرب میں ایک جگہ انہیں ایک ایسا مرد نظر آیا ہے جس سے اسی طرح نکاح کیا جاتا ہے جیسے عورت سے نکاح کیا جاتا ہے۔ اور یہ کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اصحاب رسول میں سے کچھ لوگوں کو جمع کیا اور اس معاملے میں رائے دریافت فرمائی۔ اس روز سخت ترین موقف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ ایک ایسا سنگین جرم ہے کہ امم سابقہ میں سے بس ایک ہی امت نے اس جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو معاملہ فرمایا آپ سب کو معلوم ہو چکا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ اس شخص کو آگ میں جلا ڈالیں۔ دیگر صحابہ کرام نے بھی متفقہ طور پر کہا کہ آپ اسے آگ میں جلا دیں۔ بعد ازیں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید کو لکھ بھیجا کہ اسے آگ میں جلا دو۔

سنن کبریٰ میں علامہ بیہقی نے ایک اور روایت بھی نقل فرمائی ہے:

قال ابو نضرة: سئل ابن عباس ما حد اللوطى؟ قال: ينظر اعلىٰ بناء فى القرية فيرمىٰ به منكسا ثم يتبع الحجارة (۱۱)

ترجمہ: حضرت ابو نضرۃ فرماتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا: لواطت کے مرتکب پر کیا حد جاری ہوگی؟ آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بستی میں بلند ترین مقام دیکھا جائے، پھر وہاں سے اس کو اوندھے منہ نیچے گرایا جائے اور پیچھے سے پتھر لڑھکائے جائیں۔

سزا کے عمل میں اس اختلاف پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

ان الصحابة قد اختلفوا فى موجبه فمنهم من اوجب التحريق بالنار ومنهم من قال يهدم عليه الجدار ومنهم من قال ينكس من مكان مرتفع مع اتباع الاحجار. (۱۲)

ترجمہ: کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین اختلاف ہے کہ اس پر کون سی سزا لازم ہوگی۔ کچھ نے آگ میں جلانے کو لازم جانا ہے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ اس پر دیوار گرا دی جائے گی۔ اور کچھ کا کہنا ہے کہ بلند ترین مقام سے اسے نیچے گرایا جائے اور پیچھے سے پتھر لڑھکائے جائیں۔

علامہ علاء الدین الحصکفی نے جرم لواطت کی سنگینی پر روشنی ڈالتے ہوئے البحر الرائق کے حوالے سے لکھا ہے:

حرمتها اشد من الزنا لحرمتها عقلا وشرعا و طبعا (۱۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ : عقلی، شرعی اور طبعی ہر اعتبار سے زنا کے مقابلے میں اس کی قباحت شدید تر ہے۔

اس جرم میں ملوث شخص کے بارے میں صاحب فتاویٰ خانیہ فرماتے ہیں:

قال ابو حنيفة رحمه الله : يعزر اشد التعزير و لا حد عليه . (۱۴)

ترجمہ : امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لواطت کے مرتکب کو سخت ترین سزا تو دی جائے گی مگر اس کے معاملے میں شرعی حد درست نہیں۔

علامہ علاء الدین الحصکفی نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے :

و عدم الحد عنده لا لخفتها بل للتغليظ لانه مطهر على قول . (۱۵)

ترجمہ : امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک لواطت کے مرتکب کے لئے حد شرعی کا درست نہ ہونا اس بناء پر نہیں کہ یہ کوئی معمولی جرم ہے بلکہ اس بناء پر ہے کہ یہ غلیظ تر ہے۔ اس لئے کہ ایک قول کی رو سے "حد" مجرم کو پاک کر دیتی ہے۔

جبکہ بد فعلی کے مرتکب کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ سزا کے بعد بھی وہ گناہ کی اس گندگی سے پاک ہو گا یا نہیں۔ یہ ہے ہم جنس پرستی اور جنسی بے راہ روی کا مکروہ چہرہ جس پر سے اسلام نے دین فطرت ہونے کے ناطے نقاب اتار پھینکی ہے۔ اس طرف سے آنکھیں بند کر کے جنسی لذت کوشی کو اختیار کرنے والوں کو قدرت کی طرف سے آج ایچ آئی وی / ایڈز کا تازیانہ پڑا ہے۔ مگر انہیں تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ بڑی تعداد میں دوسرے لوگ بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة ج واعلموا ان الله شديد العقاب

(۱۶)

ترجمہ: اور بچو اس فتنے سے جس کی پکڑ صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہوگا، اور دھیان میں رکھو کہ اللہ تعالیٰ بہت سخت پکڑ کرنے والا ہے۔

یہ دنیا دار المکافات ہے۔ یہاں اچھے اعمال انسانی زندگی پر اثر انداز ہو کر اس میں رونق و رعنائی اور نکھار پیدا کرتے اور بڑھاتے ہیں۔ اسی طرح برے اعمال بھی جلد یا بدیر زندگی پر اپنے نقوش ثبت کر کے ہی دم لیتے ہیں۔ عمل اور رد عمل کا ایک لا متناہی سلسلہ اور دور شروع ہوتا اور چلتا ہی چلا جاتا ہے۔ ایک اچھا عمل جس طرح اپنے جیسی کئی نئی راہیں کھول دیتا ہے اسی طرح ایک برا عمل کئی اور برے در کھول کر دیتا ہے۔ اچھے کاموں کے نتیجے بھی اچھے ہی نکلتے ہیں اور برے کاموں کا انجام بھی برا ہی ہوتا ہے۔ گویا کچھ ہی دیر میں کمائی کھل کر آ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره (۱۷)

ترجمہ: تو جس نے ذرہ برابر نیکی بھی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی بدی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا۔

ہم اس لحاظ سے خاصے بد نصیب ہیں کہ ہمارے دور میں ایڈز جیسا موذی اور مہلک مرض پوری دنیا میں تیزی سے پاؤں پسار رہا ہے۔ ساری دنیا پر اس نے ایک خوف و دہشت طاری کر رکھی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کب اور کس بہانے یہ موذی مرض اس کو آ چپکے گا اور جان لے کے جائے گا۔ خوف آدمی کو نیم جاں کر دیتا ہے۔ ایک جسم کی دفاعی صلاحیت کو سب سے زیادہ نقصان خوف اور پریشان خیالی سے پہنچتا ہے۔ یہ چیزیں انسان کے اعصاب تو ڈ کر رکھ دیتی ہیں۔ اندر ہی اندر دیمک کی طرح وہ ان گراں قدر توانائیوں کو جن پہ انسانی صحت و سلامتی کا مدار ہوتا ہے، بھسم کر دیتی ہیں۔ ایک انسانی جسم جب تک نارمل انداز میں کام کرنے کے قابل نہیں ہوتا اندرونی شکست و ریخت کا تدارک اور نئی توانائیوں کی بہم رسانی اس کے لئے ممکن نہیں ہوتی۔ خوف و ہراس اور پریشانیاں اس معاشرے میں زیادہ ہوتی ہیں جہاں ضعیف الاعتقادی کا دور دورہ ہو، جہالت چھائی ہوئی ہو، غربت و افلاس کا راج قائم ہو، جہاں بے اطمینانی، بے یقینی اور مایوسی کی فضا ہو اور اوہام پرستی عام ہو کہ ادھر پتا کھڑکے ادھر جان نکل جائے۔ انسان کے شرف و بزرگی اور کائنات کے ساتھ اس کے تعلق کے تناظر میں یہ حرکت مضحکہ خیز بھی ہے اور قابل افسوس بھی۔ قادر مطلق پہ ایمان رکھنے والے ان چیزوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔

جنگلی درندوں کا ڈر نہ ہوتا تو انسان جنگلوں اور غاروں کو خیر باد نہ کہتا۔ موسموں کی سختیاں اسے مجبور نہ کرتیں تو یہ گھر بنانا نہ کپڑا ایجاد کرتا۔ نہ آگ کی آنچ اس کی گرہ میں ہوتی۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ "ضرورت ایجاد کی ماں ہے" یہ انہی ضرورتوں کا احسان ہے کہ آج کا انسان اس قدر ترقی یافتہ ہے۔ جدید دنیا نے علم و دانش اور صنعت و ایجاد کے بڑے معرکے سر کئے ہیں اور یہ جنگ ابھی جاری ہے اور جاری ہی رہے گی۔ کئی بیماریاں بھی سرنگوں ہو چکی ہیں اور کئیوں کا تعاقب جاری ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سوائے بڑھاپے (۱۸) کے ہر مرض کی دواء قدرت نے بہم پہنچائی ہے۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

لكل داء دواء فاذا اصيب دواء الداء برأ باذن الله تعالى (۱۹)

یعنی: ہر بیماری کی دوا موجود ہے، جب بیماری تک اس کی دوا پہنچتی ہے تو اللہ کے حکم سے شفا مل جاتی ہے۔

مگر ایڈز ہنوز لا علاج ہے۔ اس کی کوئی دوا دارو ابھی تک نبی نوع انسان کے ہاتھ نہیں آیا۔ دوسرے ہاتھ پر اس کی تباہ کاریاں اور ہولناکیاں روز بروز بڑھتی ہی چلی جا رہی ہیں۔ اس کی روک تھام اور اس میں مبتلا مریضوں کی دیکھ بھال کرنے والے اداروں کے مہیا کردہ اعداد و شمار دیکھ کر لرزہ طاری ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتا ہے۔ صرف ایک منٹ میں قریباً سات نئے مریض اس کا شکار بن جاتے ہیں۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ زیادہ تباہ کن اس کے معاملے میں غفلت اور لاپرواہی ہے۔ ہر شخص کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا پھیلاؤ اگر اس قدر تیز ہے تو اس کی وجوہات کیا ہیں؟ مگر ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بے وجہ ناامیدی و مایوسی اور جی چھوڑ بیٹھنا اس سے بھی زیادہ تباہ کن اور خود نوالہ بننے کے مترادف ہوگا۔ کیونکہ اگر غفلت اور لاپرواہی برتی جائے تو ایک چھوٹا سا پھوڑا کینسر جیسے مہلک مرض کا سبب بن سکتا ہے۔ ایسی کئی مثالیں عام انسانی مشاہدے میں ہیں کہ کسی کے پاؤں کی انگلی کا ناخن چھل گیا۔ مناسب توجہ نہ دی گئی۔ پانی لگتا رہا۔ پس پڑ گئی۔ جب زخم بگڑا اور تکلیف میں شدت پیدا ہوئی تو ڈاکٹر سے رجوع کیا۔ اس نے معائنہ کرنے کے بعد بتایا کہ زہر پیدا ہو گیا ہے۔ لہٰذا یہ انگلی کاٹنی پڑے گی۔ مریض کو تامل ہوا۔ گھر واپس چلے گئے۔ کچھ روز بعد انگلی کٹوانے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو کر آئے تو ڈاکٹر نے پھر معائنہ کرنے کے بعد بتایا کہ پورا پاؤں کاٹنا ضروری ہو گیا۔ جلدی سے کوئی فیصلہ کر لیجئے کیونکہ زہر تیزی سے پھیل رہا ہے۔ مریض نے پاؤں سے محروم ہونا گوارا نہ کیا۔ بات گھٹنے سے ہوتی ہوئی کولہے تک پہنچ گئی۔ مرض جوں جوں بڑھتا گیا درد کی شدت میں بھی اضافہ ہی ہوتا گیا۔ مجبور ہوئے اور کولہے سے ٹانگ کٹوائی۔ مگر اب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ زہر سارے جسم میں پھیل چکا تھا۔ چنانچہ ٹانگ کے کٹنے اور جان کے نکلنے میں محض چند گھنٹوں کا وقفہ ہو سکا۔ اس کے برعکس یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بروقت توجہ اور مناسب دیکھ بھال کے نتیجے میں لوگ خطرناک امراض کے چنگل سے نکل بھی آتے ہیں۔ صحیح وقت پر مناسب فیصلہ ایک بڑی مصیبت سے بچا سکتا ہے۔ ایڈز کے معاملے میں اہم ترین بات یہی ہے کہ ""معلومات اور پرہیز، دو چیزیں اس کے علاج سے بہتر ہیں۔""

ہمیں دو پہلوؤں پہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ایک طرف قدرت کی رحمت سے مایوس ہوئے بغیر ایڈز کا علاج دریافت کرنے کے لئے علم و تحقیق کے میدان میں آگے بڑھنے کے لئے جملہ وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے جہد مسلسل اور سعی پیہم پہ کاربند رہنا ہوگا۔ تا آنکہ گوہر مقصود ہاتھ لگے۔ ایک عام شہری ظاہر ہے کہ اس معاملے میں طبی ماہرین اور سائنسدانوں کی جلد کامیابی کے لئے دعا ہی کر سکتا ہے۔ اس شعبے میں اصل کام جن کا ہے انہیں اپنی ذمہ داریوں کا بخوبی احساس ہے۔ دوسرا پہلو معاشرے کے ذمہ داروں اور عام شہریوں سے متعلق ہے۔ ہر شخص کا خواہ معاشرے میں اس کی حیثیت کچھ بھی ہو، یہ مقدس مذہبی فریضہ اور ایک خوشگوار سماجی ذمہ داری ہے کہ اس مرض کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے جتنا اور جو کچھ وہ کر سکتا ہے کرے۔ انفرادی حیثیت سے بھی اور اجتماعی طور پر بھی۔ برابر والے گھر میں لگی ہوئی آگ کو دیکھیں اور فی الفور ختم کرنے کی تدبیر اور عملی کوشش کرنا ہی قرین مصلحت و دانشمندی

ہے۔ دوسروں کا درد سر سمجھ کر اسے نظر انداز کرنا بہت بڑی نادانی ہوگی۔ تبھی اس موذی مرض کے مقابل انسانی برادری میں ہم آہنگی پیدا ہوگی اور اس کے آگے کوئی مؤثر بند باندھنا ممکن اور سود مند ہو سکے گا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسانیت کو تباہی سے بچانے کے لئے جدوجہد پیغمبروں کا طریقہ اور سنت ہے۔ یہی آج کا مسئلہ اور سب سے بڑا کام بھی ہے۔

بیماریوں کا کوئی دین و مذہب نہیں ہوتا۔ نہ یہ کسی خاص نسل یا علاقے کے باشندوں کو امتیازی طور پر نشانہ ستم بناتی ہیں۔ ایڈز بھی کسی ایک قوم، علاقے یا مذہب و ملت کا معاملہ نہیں بلکہ پوری انسانی برادری کا مسئلہ ہے اور اسے زیر کرنے کے لئے بھی سبھی کو مشترکہ اور منظم کوشش کرنی ہے۔ لہٰذا انسانی برادری کو بھی اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ان محدود دائروں سے ماورا ہو کر وحدت انسانی کی وسیع تر بنیادوں پہ کام کو آگے بڑھانا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اس معاملے میں رہنما اصول ہے:

وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (۲۰)

ترجمہ: جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔

ہم جس جہاں میں جی رہے ہیں یہ عالم اسباب ہے۔ یہاں ہر شے کو قدرت نے اسباب کے تابع کر رکھا ہے۔ مؤثر حقیقی البتہ صرف اللہ رب ذوالجلال ہی کی ذات ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر کسی پرندے کو پر مارنے یا پتے کو ہلنے تک کی مجال نہیں۔ کوئی بھی انسان ان اسباب سے بے نیاز ہو کر نہیں جی سکتا۔ ہم سوتے جاگتے سانس لیتے ہیں۔ بھوک لگتی ہے تو کھانا کھاتے ہیں، تھک جاتے ہیں تو آرام کرتے ہیں، بیمار ہو جاتے ہیں تو علاج معالجے کے ذریعے اپنی کھوئی ہوئی صحت اور توانائی بحال کرنے اور واپس لانے کے لئے تگ و دو کرتے ہیں۔ ہمارے یہ اعمال توکل علی اللہ کے منافی نہیں ہیں۔ اسلام اپنے پیروکاروں کو جو تعلیم دیتا ہے اس کو مختصر ترین الفاظ میں "دست بکار و دل بیار" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ہماری سرگرمیاں توکل علی اللہ کی صحیح آئینہ دار ہو سکتی ہیں۔ اپنی ذمہ داریوں سے بہتر طور پر عہدہ برآ ہونے اور مسائل و مشکلات سے نمٹنے کے لئے ہمیں مناسب تدابیر اختیار کرنے کی تعلیم اور حکم دیا گیا ہے۔
ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا:

ارسل راحلتی واتوکل؟ فقال رسول اللہ ﷺ بل قیدھا وتوکل (۲۱)

یعنی: میں اپنی سواری کو کھلا چھوڑ دوں اور اللہ پہ بھروسہ رکھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے باندھ کر رکھو اور پھر اللہ پہ بھروسہ کرو۔
جامع ترمذی کے الفاظ ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قال رجل یا رسول اللہ اعقلها واتوکل او اطلقها واتوکل؟ قال: اعقلها وتوکل (۲۲)

ترجمہ: ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: آیا میں اپنی اونٹنی کو باندھ کر رکھوں اور بھروسہ کروں یا اسے کھلا چھوڑ دوں اور اس طرح سے بھروسہ کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے جکڑ کر رکھو اور پھر بھروسہ کرو۔

گویا ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنا توکل نہیں۔ توکل تو یہ ہے کہ انسان زندگی کی مشکلات سے مناسب تدابیر کے ذریعے پنجہ آزمائی کے لئے ہمہ وقت چوکس اور تیار پایا جائے۔ اور اپنی ہر کوشش کا نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ بقول علامہ اقبال ؎

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر انجام اسکی تیزی کا مقدر کے حوالے کر

ہم وقت کے حصار میں قید اور مادی وسائل سے استفادہ کرنے پر مجبور بنائے گئے ہیں۔ دنیا میں رہ کر آخرت کی فکر و تیاری کا درس دیا گیا ہے نہ کہ دنیا کو آخرت بنا ڈالنے کا۔ یہاں ایک اور قانون قدرت کو بھی نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لیس للانسان الا ما سعی (۲۳)

ترجمہ: انسان کو وہی کچھ ملے گا جس کی کہ وہ سعی کرے گا۔

آج کا انسانی معاشرہ نوع بنوع مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ہم نے بہت ترقی کر لی ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کے نتیجے میں اپنے ہی معاشرے کو بہت سے دکھ بھی دیے ہیں۔ اتنی اصلاح نہیں ہوتی جتنے کہ اس میں بگاڑ در آتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جن حالات میں ایک صحت مند اور صالح معاشرے کی بنیاد رکھی تھی، اس وقت کے حالات اور آج کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو دونوں کے مابین کوئی قابل ذکر فرق نظر نہیں آتا۔ اس وقت بھی فحاشی و عریانی عام تھی، جنسی بے راہ روی پہ کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ امراء القیس کا معلقہ اس کی ایک زندہ شہادت ہے۔ آپ ﷺ نے اصلاح معاشرہ کی تحریک کا آغاز فکر و عمل کی تطہیر اور تزکیہ نفس سے کیا تھا۔ بظاہر معمولی نظر آنے والے ان عوامل کا بھی آپ ﷺ نے سد باب فرمایا جو معاشرے میں ضعیف الاعتقادی، پراگندہ خیالی اور خوف و ہراس کا باعث بن رہے تھے۔ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے جب لوگ انبیاء کی تعلیمات فراموش کر چکے تھے اور معبود برحق کا حقیقی تصور ان کے درمیان سے اٹھ چکا تھا تو عالم ارضی پہ سایہ فگن ظاہری اسباب کو دیکھ کر ان کی پوجا پاٹ شروع کر دیتے تھے۔ عربوں نے جو ہزاروں

سال سے بیت اللہ کے وارث چلے آ رہے تھے، اللہ سے اپنا ناطہ توڑ کر مصنوعی معبودوں کی آغوش میں پناہ ڈھونڈ لی تھی۔ انہوں نے ستاروں کی منزلیں مقرر کر رکھی تھیں۔ جنہیں "نوء" کہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ موسموں کی سختیاں یا برسات وغیرہ انہی انواء کے زیر اثر ہے۔ اس طرح ان میں مظاہر پرستی عام ہو گئی تھی۔ "صفر" کے مہینے کو منحوس گردانتے اور سمجھتے تھے کہ اس میں آفات کا نزول ہوتا ہے۔ ایک نسبتاً بڑے سر والے الو کو جسے "ھامۃ" کہتے تھے اور جو چیختا بہت تھا، چیختے ہوئے دیکھتے تو سمجھتے تھے کہ ان کے مقتول کی بے چین روح ہے۔ جو اس قالب میں ڈھل گئی ہے۔ جب تک مقتول کا انتقام لے کر قاتل کا اسے خون نہ پلایا جائے گا یہ یونہی تڑپتی رہے گی۔ اس طرح اور زیادہ زور و شور سے قاتل کی جان لینے کے درپے ہو جاتے۔ پرندوں سے اچھا یا برا شگون لینے کا اعتقاد ان میں راسخ ہو چکا تھا اسے "طیرۃ" کہتے تھے۔ ایک خود ساختہ خوف انہوں نے اور بھی اپنے اوپر طاری اور مسلط کر رکھا تھا کہ بیابانوں میں ایسے بھوت پریت پائے جاتے ہیں جو راستے سے بہکا کر انسان کو مار ڈالتے ہیں۔ انہیں وہ "غول" کہتے تھے۔ مختلف طرح کی بیماریوں کے معاملے میں بھی وہ لوگ اوہام پرستی کا شکار تھے اور سمجھتے تھے کہ بیماری طبعی طور پر ایک سے دوسرے کو لگتی ہے۔ موثر حقیقی کی طرف ان کا دھیان ہی نہ جاتا تھا۔ اسے "عدویٰ" سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

نبی آخر الزماں ﷺ نے اصلاح احوال کی خاطر جس طرح اوہام باطلہ اور اعتقادات فاسدہ کا رد فرمایا اسی طرح متذکرہ بالا چھ امور سے متعلق بھی عہد جاہلیت کے تصورات کو باطل و بے بنیاد قرار دیا۔ امام مسلم بن حجاج القشیری نے صحیح مسلم میں ایسی تمام احادیث کو حسب ذیل عنوان کے تحت جمع کیا ہے:

لا عدوی ولا طیرۃ ولا ھامۃ ولا صفر ولا نوء ولا غول ولا یورد ممرض علی مصح (۲۴)

خط کشیدہ عبارت، جو کہ حدیث پاک میں وارد ہے، کا معنی ہے: "بیمار کرنے والے کو تندرست یا روبصحت کے پاس نہ لایا جائے۔" یہ اس امر کی صراحت ہے کہ امراض اپنے اسباب عادیہ کے تحت ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ البتہ امراض کا یہ انتقال یا تعدیہ ان کا طبعی عمل نہیں۔ نہ ہی ان میں سے کوئی مرض مستقل بالذات ہے۔ کیونکہ ہر شے کا خالق اللہ رب ذوالجلال ہے اور اسی نے ہر شے کے اندازے مقرر اور مقدر فرمائے ہیں (۲۵) مرض بھی چونکہ ایک شے ہے اس لئے اسباب عادیہ کے تحت یہ بھی اسی طرح گھٹتا اور بڑھتا ہے جس طرح کہ اور نامی وجود۔ اور اللہ کی مشیت و اجازت کے بغیر کوئی بھی سبب فی نفسہ موثر نہیں ہو سکتا۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی نے حضرت ابن مسعود سے جو حدیث روایت کی ہے۔ اس کے کلمات اس معاملے میں بہت واضح ہیں اور رہے سہے اندیشے بھی رفع ہو جاتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"لا عدویٰ ولا صفر، خلق اللہ کل نفس و کتب حیاتھا ورزقھا ومصائبھا" (۲۶)

ترجمہ: امراض کے طبعی انتقال اور صفر کی نحوست کا اعتقاد باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے ہر ذی روح کو پیدا کیا ہے اور اسی نے ہر ذی روح کی زندگی، اس کا رزق اور مصائب وشدائد بھی مقدر فرمائے ہیں۔

ابتدائے عہد سے ہی مرض کے متعدی یا غیر متعدی ہونے کے معاملے میں بھی علمائے امت میں بحث چلی آرہی ہے۔ اس اختلاف کی بنیادی وجہ اس ضمن کی نصوص احادیث میں تعارض ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں:

وحجة الطائفتين واضحة مبينة في الحديث وهما مستمدان من اصلين احدهما التوكل والتسليم للقضاء والثاني الاحتياط والحذر ومجانبة اسباب الالقاء باليد الى التهلكة (۲۷)

ترجمہ: دونوں مکاتب فکر کی دلیل اساس وہی ہے جو احادیث میں بیان ہوئی۔ اس کے علاوہ دونوں شریعت کے دو بنیادی اصولوں کی سہارا لیتے ہیں۔ ایک اصول "اللہ پر توکل اور خود کو اس کی قضاء کے حوالے کئے رکھنا" اور دوسرا "ہلاکت میں ڈالنے والے اسباب سے گریز اور پرہیز" ہے۔

اس طرح کچھ علماء نے "لا عدویٰ" سے علی الاطلاق امراض کے متعدی نہ ہونے کا استدلال کیا ہے۔ مگر ان کا یہ استدلال بوجوہ درست نہیں۔ خود محدثین کرام کا ایک جم غفیر تسلیم کرتا ہے کہ "لا عـــدوی" کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسے روایت کرنا ترک کر دیا تھا۔ ان سے اس معاملے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس روایت کا سرے سے انکار ہی فرما دیا۔ (۲۸) اگرچہ یہی حدیث دیگر طرق سے بھی مروی ہے اور اسی باعث قابل استناد قرار پائی ہے۔ مگر حضرت ابو ہریرہ کا اس سے سکوت معنی خیز ضرور ہے۔

ثانیاً لا عـــدوی کا "لا" جسے نحوی لائے نفی جنس کا نام دیتے ہیں، نفی کل کے بجائے نفی کمال کے لئے آتا ہے۔ قرآن وحدیث میں جہاں جہاں یہ لا استعمال ہوا ہے وہ ساری نصوص دیگر نصوص کے ساتھ متعارض قرار دے کر تاویلات کی گئی ہیں۔ تاویلات کے اس ختم نہ ہونے والے سلسلے سے بچنے کے لئے ہمیں یہ اصول ماننا پڑے گا کہ

"یہ لا اپنے بعد آنے والے کلمے کی مراد کا جوہر اصلی اور کمال سلب کرتا ہے، اس سے کلی نفی مقصود نہیں ہوتی۔"

علمائے سلف اس اصول سے استفادہ اور استدلال کرتے آئے ہیں۔ مثلاً: حکم قرآنی "فاقرأوا ما تيسر من القرآن" (۲۹)

اور فرمان نبوی "لا صلوٰة الا بفاتحة الكتاب" (۳۰) کے مابین تعارض کو رفع کرنے کے ضمن میں معروف اصولی علامہ نظام الدین شاشی فرماتے ہیں:

"نحمل الخبر على نفي الكمال" (۳۱)

ترجمہ: ہم اس حدیث کو نفی کمال پر محمول کرتے ہیں۔

امراض کے متعدی ہونے کا انکار کرنے والے علماء کرام مندرجہ ذیل روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں:

عن جابر ان رسول اللہ ﷺ اخذ بيد مجذوم فادخل معه في القصعة ثم قال كل بسم الله ثقة بالله

وتوكلا عليه (۳۲)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مجذوم کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ کھانے کے لئے برتن میں ڈالا پھر فرمایا: کھاؤ اللہ کا نام لیکر، اللہ پر پختہ ایمان رکھتے ہوئے اور اس پر بھروسہ رکھ کر۔

اسے روایت کرنے کے بعد امام ابو عیسیٰ ترمذی نے خود اس روایت پر عدم اعتماد کرتے ہوئے متصلاً بعد ایک اور حدیث ذکر کی ہے اور اس پر اعتماد کا اظہار بھی فرمایا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن بريدة ان عمر اخذ بيد مجذوم .....الى آخر الحديث.....(۳۳)

حضرت ابن بریدہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے ایک مجذوم کا ہاتھ پکڑ کر.....

اس طرح یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے، حضور رسالتمآب ﷺ کا عمل نہیں ہے۔ اور اگر ہوتا تب بھی آپ ﷺ کے عمل پر آپ کے حکم کو ترجیح دینا مجمع علیہ ہے۔ اسلام اعتدال کا راستہ پسند کرتا ہے۔ اور حد سے بڑھا ہوا توکل اسلامی تعلیمات سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ لہٰذا یہ اور اس طرح کی دیگر روایات، احادیث و آثار پر مبنی حسب ذیل دلائل کے ہم پلہ اور ان کا جواب قرار نہیں دی جا سکتیں:

۱۔ لا يورد ممرض على مصح (۳۴)

یعنی بیمار کرنے والے کو تندرست یا روبہ صحت کے پاس نہ لایا جائے۔

۲۔ فر من المجذوم كما تفر من الاسد (۳۵)

یعنی مجذوم (کوڑھی) سے اس طرح دور بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔

۳۔ كان في وفد ثقيف رجل مجذوم فارسل اليه النبي ﷺ انا قد بايعناك

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فارجع (۳۶)

وفد ثقیف میں ایک مجذوم بھی شامل تھا۔ آپ ﷺ نے اسے کہلا بھیجا کہ ہم نے تمہیں بیعت کرلیا ہے تم واپس چلے جاؤ۔ (اسے اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت بھی نہ دی اور مدینہ چھوڑ کر چلے جانے کا حکم بھی دیا۔)

۴۔ ناسخ الحدیث ومنسوخه میں ابوحفص عمر بن احمد نے یہ حدیث نقل کی ہے:

عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ مر بوادی المجذومین فاسرع المشی فقال ان یکن بعدی فهذا ۔ (۳۷)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مجذوموں کی ایک بستی سے گزر ہوا تو آپ ﷺ نے اپنی رفتار تیز کردی اور فرمایا: اگر کوئی مرض متعدی ہے تو یہ ہے۔

۵۔ الطاعون رجز ارسل علی بنی اسرائیل او علی من کان قبلکم فاذا سمعتم به بارض فلا تقدموا علیه واذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا فرارا منه و قال ابو النضر لا یخرجکم الا فرار منه(۳۸)

ترجمہ: طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل یا تم سے پہلے لوگوں پر اتارا گیا۔ لہٰذا تمہیں کسی جگہ طاعون کی اطلاع ملے تو وہاں مت جاؤ اور اگر ایسی جگہ پھیل جائے جہاں تمہارا قیام ہو تو وہاں سے نہ نکلو۔ ابو النضر کی روایت میں ہے: تم صرف اس سے بچنے کے لئے ہی نکل سکتے ہو۔

۶۔ مہلک اور متعدی امراض کے حامل مریضوں کے ساتھ غیر محتاط اختلاط اور میل جول قرآن مجید کے اس حکم کے عموم کے منافی عمل ہے:

لاتلقوا بایدیکم الی التهلکة (۳۹)

ترجمہ: تم اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

۷۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

قال البیهقی بعد ان اورد قول الشافعی ما نصه الجذام والبرص یزعم اهل العلم بالطب والتجارب انه یعدی الزوج کثیرا (۴۰)

ترجمہ: بیہقی نے جذام اور برص کے بارے میں امام شافعی کا موقف بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: "طبی ماہرین اور اس شعبے میں تجربہ رکھنے والے افراد کا خیال ہے کہ اکثر یہ مرض شریک حیات کو منتقل ہو جاتا ہے۔"

۸۔ علماء کرام اور فقہائے عظام امراض کے متعدی یا غیر متعدی ہونے کے حوالے سے خود اتنی تحقیق نہیں

رکھتے جو کہ حتمی رائے یا فیصلہ کن اقدام کی بنیاد بن سکتی ہو۔ ان کی زیادہ تر معلومات طبی ماہرین کی آراء کی مرہون منت ہیں۔ ذاتی علم و تجربے کا فقدان ہے۔ بنا بریں وہ اس معاملے میں اصولی طور پر طبی ماہرین کی آراء کی تائید و حمایت کے پابند ہیں۔ بالخصوص جبکہ نصوص میں تعارض پیدا کر دیا گیا ہو۔ ورنہ ان کا موقف قابل اعتنا نہیں ہوگا۔ قرآن مجید کا رہنما اصول ہے:

ولا تقف مالیس لک به علم ط ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنه مسئولا (۴۱)

ترجمہ: کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو، یقیناً کان، آنکھ اور دل، ہر ایک سے اس بارے میں باز پرس ہوگی۔

طبی تحقیقات سے یہ بات واضح اور طے ہو چکی ہے کہ امراض دو طرح کے ہوتے ہیں۔ متعدی اور غیر متعدی۔ لہٰذا دونوں طرح کی احادیث اپنے اپنے باب میں صحیح اور درست ہیں۔ متعدی امراض میں مبتلا مریضوں کی عیادت اور دیکھ بھال بھی انسانیت کا ایک ناگزیر تقاضا ہونے کے ناطے حکم شرع کا حصہ ہے۔ مگر اس سلسلے میں شریعت نے مناسب حفاظتی تدابیر اور ضروری احتیاطوں کو بھی لازم کیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

لا تدیموا النظر الی المجذمین واذا کلمتموهم فلیکن بینکم وبینهم قید رمح (۴۲)

ترجمہ: جذام میں مبتلا لوگوں کی طرف مسلسل مت دیکھو اور جب ان سے بات کرو تو تمہارے اور ان کے درمیان ایک نیزے کے برابر فاصلہ ہونا چاہئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں کبار صحابہ کرام کی مشاورت سے یہ مسئلہ طے کر لیا گیا تھا۔ ایک اہم معاملے پر قومی فکر و عمل کا رخ متعین کرنے کے لئے جو انداز آپ نے اختیار فرمایا آج کی پارلیمانی روایات اور طبی مجالس میں اس کی نظیر مشکل سے ہی ملے گی۔ حفظ مراتب کا پورا پورا لحاظ بھی ہے اور خواص جب کسی معاملے میں مناسب حل پیش کرنے سے قاصر رہیں تو مشاورت کے عمل کو بتدریج خواص سے عوام کی طرف منتقل کرنے کی تو ایک شاندار مثال ہے۔ پوری روئیداد اور اس کی شرعی حیثیت کے بارے میں سوالات کے جوابات بھی اسی میں مضمر اور موجود ہیں:

عن عبد الله بن عباس رضی الله عنهما ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه خرج الی الشام حتی اذا کان بسرغ لقیه اهل الاجناد ابو عبیدة بن الجراح واصحابه فاخبروه ان الوباء قد وقع بالشام قال ابن عباس فقال عمر ادع لی المهاجرین الاولین فدعوتهم فاستشارهم واخبرهم ان الوباء وقع بالشام فاختلفوا فقال بعضهم قد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خرجت لامر ولا نری ان ترجع عنه وقال بعضهم معک بقیة الناس واصحاب رسول الله ﷺ ولا نری ان تقدمهم علی هذا الوباء. قال: ارتفعوا عنی. ثم قال: ادع لی الانصار فدعوتهم له، فاستشار فسلکوا سبیل المهاجرین واختلفوا کاختلافهم. فقال: ارتفعوا عنی. ثم قال: ادع لی من کان ههنا من مشیخة قریش من مهاجرة الفتح فدعوتهم. فلم یختلف علیه رجلان. فقالوا نری ان ترجع بالناس ولا تقدمهم علی هذا الوباء فنادی عمر فی الناس انی مصبح علی ظهر فاصبحوا علیه. فقال ابو عبیدة بن الجراح أ فرارا من قدر الله؟ فقال عمر لو غیرک قالها یا ابا عبیدة. وکان عمر یکره خلافه. نعم نفر من قدر الله الی قدر الله. ارأیت لو کانت لک ابل فهبطت وادیا له عدوتان احدهما خصبة والاخری جدبة. ألیس ان رعیت الخصبة رعیتها بقدر الله وان رعیت الجدبة رعیتها بقدر الله. قال فجاء عبدالرحمن بن عوف وکان متغیبا فی بعض حاجته. فقال: ان عندی من هذا علما. سمعت رسول الله ﷺ یقول: اذا سمعتم به بارض فلا تقدموا علیه واذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا فرارا منه. قال فحمد الله عمر بن الخطاب ثم انصرف.(۴۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جب سرغ کے مقام پر پہنچے تو لشکریوں میں سے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور ان کے ساتھیوں سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے بتایا کہ شام میں وباء پھیل گئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ مہاجرین اولین کو میرے پاس بلایا جائے۔ میں نے انہیں جمع کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام میں وباء پھیل جانے کے بارے میں انہیں بتایا اور ان سے مشورہ کیا۔ ان کی آراء مختلف تھیں۔ کچھ نے کہا: آپ ایک اہم کام کے لئے مدینے سے نکلے تھے، ہم اس حق میں نہیں کہ آپ واپس ہو جائیں۔ (گویا معاملہ ان کے نزدیک بھی شریعت کا نہیں جرأت کا تھا) اور کچھ نے کہا: آپ کے ساتھ باقی لوگ بھی ہیں اور اصحاب رسول علیٰ صاحبہم الصلوۃ والسلام بھی ہیں۔ ہم اس حق میں نہیں کہ آپ انہیں اس وباء میں لے کر جائیں۔ آپ نے مجلس برخاست کر دی۔ پھر فرمایا: انصار کو میرے پاس بلایا جائے۔ میں نے انہیں آپ کے پاس جمع کیا۔ آپ نے ان سے بھی مشاورت کا عمل دہرایا۔ انہوں نے بھی مہاجرین کا سا انداز اپنایا اور انہی کی طرح اختلاف رائے ہی دیکھنے کو ملا۔ آپ نے یہ مجلس بھی برخاست کر دی۔ پھر فرمایا: فتح مکہ کے موقع پر ایمان لانے والے قریش کے بزرگوں میں سے اگر کوئی یہاں ہے تو اس کو میرے پاس بلایا جائے۔ میں نے انہیں آپ کے پاس جمع کیا۔ ان میں سے کسی نے کسی سے کوئی اختلاف نہ کیا۔ سب نے کہا: ہماری رائے یہ ہے کہ آپ لوگوں کو لے کر واپس ہو جائیں اور انہیں

وباء زدہ علاقے میں لے کر نہ جائیں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منادی کرا دی کہ میں صبح واپس جا رہا ہوں، تم لوگ بھی صبح واپسی کی راہ اختیار کرو۔ اس پر ابوعبیدہ بن الجراح نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بھاگنے کی کوشش۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کاش یہ بات تمہارے علاوہ کوئی اور کہتا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو حجت بازی پسند نہ تھی۔ ہاں ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تمہارے پاس کچھ اونٹ ہوتے اور تم انہیں چرانے کے لئے ایک ایسی وادی میں اترتے جس کے دو کنارے ہوتے۔ ایک سرسبز و شاداب اور دوسرا قحط زدہ ویران۔ کیا ایسا نہیں کہ تم انہیں سرسبز و شاداب کنارے لے جاتے تو تقدیر الٰہی کے تحت ہی ایسا ہوتا۔ اور اگر قحط زدہ ویران علاقے میں چرانے لے جاتے تو بھی اللہ کی تقدیر سے ہی ایسا ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں: اسی اثناء میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف آ گئے۔ بوقت مشاورت آپ کسی غرض سے نکلے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا: میرے پاس اس معاملے میں ایک یقینی اطلاع ہے۔ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تمہیں کسی جگہ پر وباء کے پھیل جانے کی اطلاع ملے تو وہاں مت جاؤ۔ اور جب ایسی جگہ پھیل جائے جہاں تمہارا قیام ہو تو اس سے بھاگنے کی خاطر وہاں سے مت نکلو۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور واپس چلے گئے۔

علامہ نووی نے واپسی کے آپ کے فیصلے کے بارے میں لکھا ہے:

کان رجوع عمر لرجحان طرف الرجوع لکثرة القائلین به و انه احوط(۴۴)

ترجمہ: حضرت عمر کی واپسی اس لئے ہوئی کہ اس کے حق میں رائے دینے والوں کی کثرت کے باعث ان کا پلہ بھاری تھا اور احتیاط بھی اسی میں زیادہ ہے۔

حضرت سعید بن المسیب کی روایت سے اس فیصلے کے عملی نفاذ کی شہادت بھی ملتی ہے:

قال عمر بن الخطاب ایما رجل تزوج امرأة وبها جنون او جذام او برص فمسها فلها صداقها کاملا و ذلک لزوجها غرم علی ولیها (۴۵)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر کسی آدمی کی شادی کسی ایسی عورت سے ہوئی جسے جنون، جذام یا برص کا مرض لاحق تھا اور اس مرد نے اس عورت سے تعلق بھی استوار کر لیا تو اس عورت کو پورا مہر دلوایا جائے گا البتہ شوہر اس عورت کے ولی (جس نے مرض کو چھپائے رکھا) سے اتنا ہی تاوان لینے کا حقدار ہوگا۔

ان تمام احادیث و آثار اور آئمہ کرام کے اقوال کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام انسانیت کا دین ہے۔ انسانی اقدار کا پاس کرتا اور لحاظ رکھتا ہے۔ انسانی جان کی قدر و قیمت کا بھر پور احترام اس کا لازمہ ہے۔ ایک طرف ایک صحت مند انسان کو بلاوجہ متعدی امراض میں مبتلا افراد کے ساتھ اختلاط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے روکتا ہے۔ تو دوسری طرف متاثرہ لوگوں کو بے یار و مددگار بھی نہیں رہنے دیتا۔ مرض سے دور رہنے اور نفرت کرنے کا درس دیتا ہے اور مریض کے دکھ بانٹنے کا حکم دیتا ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں کے اندر عقیدے کی صحت اور پختگی دیکھنا چاہتا ہے۔ ضعیف الاعتقادی اور اوہام پرستی سے انہیں روکتا ہے۔ ایمان باللہ راسخ اور قوت ارادی مضبوط اور غیر متزلزل ہو تو انسان بڑی سے بڑی مشکل صورتحال سے نبرد آزما ہو سکتا ہے۔

مریضوں کی عیادت آپ ﷺ کی ایک اہم سنت ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے معمولات میں، آپ ﷺ کی پوری حیات طیبہ میں ہمیں نظر آتا ہے کہ مریضوں کی عیادت بھی شامل تھی اور تادم وصال آپ ﷺ نے اپنی اس عادت شریفہ کو جاری و ساری رکھا۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

كان رسول الله ﷺ يعود المساكين ويسال عنهم (۴۶)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ مساکین کی عیادت فرمایا کرتے اور ان کے حالات دریافت فرمایا کرتے تھے۔

آپ ﷺ مریضوں اور کمزوروں کا کس قدر خیال رکھتے تھے حدیث ذیل سے اندازہ ہوتا ہے:

من أم قوما فليخفف فان فيهم الكبير وان فيهم المريض وان فيهم الضعيف (۴۷)

ترجمہ: تم میں سے اگر کوئی کہیں امام بنے تو نماز کو مختصر رکھے۔ اس لئے کہ نمازیوں میں بوڑھے بھی ہوتے ہیں، بیمار بھی اور کمزور بھی۔

آپ ﷺ نے اپنی امت کو بھی مریضوں کی عیادت کرتے رہنے کی تعلیم دی ہے۔ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں:

امرنا بعيادة المريض (۴۸)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مریضوں کی عیادت کی تعلیم دی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال رسول الله ﷺ ان الله يقول يوم القيمة يابن آدم مرضت فلم تعدني. قال: يا رب كيف اعودك وانت رب العلمين؟ قال: أما علمت ان عبدى فلانا مرض فلم تعده. أما علمت انك لو عدته لوجدتني عنده. (۴۹)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تو تو نے عیادت نہیں کی۔ بندہ کہے گا: تو تو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، میں تیری عیادت کیسے کرتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمہیں پتا نہیں میرا فلاں بندہ بیمار تھا مگر تم نے اس کی عیادت نہیں کی۔ تمہیں پتا نہیں اگر تم اس کی عیادت کرتے تو مجھے اس کے پاس ہی موجود پاتے۔

سماجی بہبود کے کاموں سے رسول اللہ ﷺ کو خاص رغبت تھی۔ اپنی امت کو بھی اس کی تعلیم دی:

قال رسول الله ﷺ فكوا العاني يعني الاسير واطعموا الجائع وعودوا المريض (۵۰)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیدیوں کو چھڑاؤ، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور مریض کی عیادت کیا کرو۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

من استطاع منكم ان ينفع اخاه فليفعل (۵۱)

ترجمہ: تم میں سے کوئی اگر کسی بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے تو یہ کام اسے کرنا چاہیے۔

چنانچہ آپ ﷺ عیادت کے معاملے میں مومن اور غیر مومن کے درمیان بھی کوئی فرق روا نہ رکھتے تھے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں "باب عيادة المشرك" کا عنوان قائم کیا ہے اور اس میں مندرجہ ذیل حدیث لائے ہیں:

عن انس ان غلاما ليهود كان يخدم النبي ﷺ فمرض فاتاه النبي ﷺ يعوده فقال اسلم فاسلم (۵۲)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہودیوں کا ایک غلام تھا جو نبی اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہوا تو نبی اکرم ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔

ایڈز میں مبتلا فرد یا افراد یا اس طرح کی کسی بھی دوسری اذیت میں مبتلا لوگوں کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھنا، انہیں عار دلانا، طعنہ دینا یا کسی بھی اور طریقے سے شرمندہ کرنا بجائے خود ایک شرمناک حرکت ہے۔ یہ انسانی ہمدردی کے اصولوں کے منافی ہی نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات کے بھی سراسر خلاف عمل ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال رسول الله ﷺ من عير اخاه بذنب لم يمت حتىٰ يعمله (۵۳)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے بھائی کو اس کی کسی حرکت پر عار دلائی جب تک ویسی ہی حرکت نہ کرے گا اس کی موت واقع نہ ہوگی۔

حضرت واثلہ بن اسقع فرماتے ہیں:

قال رسول الله ﷺ لا تظهر الشماتة لاخيك فيرحمه الله ويبتليك (۵۴)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کی مصیبت زدگی پر مت ہنسو۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس پر تو رحم فرما دے اور تمہیں اس میں مبتلا کر دے۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب یہ اذیت اس کے اپنے کئے کی سزا ہو۔ اگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان حالات میں بھی اسلام اپنے پیروکاروں کو یہی تعلیم دیتا ہے کہ کسی کو شرمندہ کرنا یا اس کی کسی قبیح اور نامناسب حرکت پر اس کو عار دلانا مناسب نہیں تو ایڈز تو ایک ایسا مرض ہے کہ اس میں مبتلا شخص کے بارے میں ایسی کوئی رائے قائم کرنا بہت ہی مشکل ہے کہ یہ مرض اس تک پہنچا ہے تو کیسے پہنچا؟ بہت ممکن ہے کہ کسی ایڈز زدہ شخص کی استعمال شدہ سرنج کے استعمال سے یا اسی طرح کی کسی اور بے احتیاطی کے نتیجے میں یہ مرض اس کو بھی لاحق ہو گیا ہو۔ ایسے میں کسی پر کسی نا کردہ گناہ کی تہمت اور بھی بری اور قابل نفرین حرکت بن جاتی ہے۔

متعدی اور غیر متعدی امراض اور ان کے مقابل اسلامی رویوں کی یہ جھلک دیکھ لینے کے بعد اس نوع کے عصری امراض ومسائل کو ان پر آسانی سے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ ایڈز کا مرض متعدی ضرور ہے مگر ایڈز زدہ مریض کے دائیں بائیں رہنے، قرب وجوار میں بیٹھنے، اس کے ساتھ کھانے پینے یا اس کے استعمال شدہ برتن استعمال کرنے سے کسی اور کو یہ بیماری نہیں لگتی۔ نہ اس مرض میں مبتلا مریض کے پہنے یا استعمال شدہ کپڑوں کو پہننے یا کسی اور طرح سے استعمال کرنے سے کسی اور کو منتقل ہوتی ہے۔ ایڈز زدہ شخص تن تنہا اس آگ میں جلتا رہتا ہے۔ اس کے پھیلاؤ کا سب سے بڑا ذریعہ جنسی تعلقات یا اس معاملے میں بے راہ روی ہے۔ اور جنسی بے راہ روی ہے کیا؟ فطرت سے بغاوت اور قدرت کی طاقتوں کے خلاف اعلان جنگ۔ سزا اور انجام بھی انتہائی خوفناک اور بھیانک ہے جتنا کہ جرم سنگین۔

اسلام نے چار شادیوں تک کی اجازت دے رکھی ہے۔ اور قرآن مجید کے چوتھے پارے کے آغاز میں جنسی بے راہ روی کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ ہر مرد وعورت کو ان قرآنی احکامات کو غور پڑھنا چاہئے اور جو کسی وجہ سے اس سے قاصر ہیں ان تک ان تعلیمات کو پہنچانے کی تمام ممکنہ صورتوں کو بروئے کار لایا جانا چاہئے۔ اس مرض کے پھیلاؤ کا دوسرا بڑا ذریعہ انتقال خون ہے۔ ایچ آئی وی وائرس کے حامل مریض سے لیا گیا خون یا ایسے خون سے قلوط خون کسی اور مریض کے لگا دینے سے بھی مرض منتقل ہوتا ہے۔ ایسے مریض کے خون سے آلودہ اوزاروں کے استعمال سے بھی یہ بیماری آگے منتقل ہو جاتی ہے۔ تیمارداری اور دیکھ بھال کرنے والوں کو اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

چنانچہ میاں یا بیوی کسی بھی ایک میں اگر ایڈز کے وائرس ایچ آئی وی کا سراغ ملے اور دوسرا متاثر نہ پایا جائے تو از روئے شرع بھی تفریق لازم ہو جاتی ہے۔ حکومت وقت کو یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ ایسی قانون سازی کرے جو شادی کے خواہشمند مردوں اور عورتوں، دونوں یا دونوں میں سے کسی ایک، جہاں ضرورت ہو یا شبہ وامکان پایا جائے، کے لئے ایڈز فری ٹیسٹ کو لازم کر دے۔ اسی طرح متاثرہ جوڑے کے ہاں ولادت کو روکنے کے لئے بھی مؤثر اقدامات ناگزیر ہیں۔ اس کے لئے نس بندی یا کنڈوم کا استعمال یا ضبط تولید کا کوئی اور طریقہ جو مؤثر ممکن اور مناسب حال ہو اختیار کیا جا سکتا ہے۔

اسلام دین فطرت ہے۔ پوری انسانیت کا دین ہے۔ حیات ارضی میں رونقیں بکھیرتا ہے اور کسی طرح کے رخنے نہیں چاہتا۔ لہٰذا ہر اس اقدام کا حامی ہے جو انسانیت کی حقیقی اور سچی فلاح وبہبود کا ضامن ہو۔

حوالہ جات

۱۔ قرآن حکیم، سورۂ بنی اسرائیل (۱۷)، آیت ۔ ۷
۲۔ قرآن حکیم، سورۂ نساء (۴)، آیت : ۳۸
۳۔ قرآن حکیم، سورۂ بروج (۸۵)، آیت : ۱۲
۴۔ قشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ، طبع ثانی ۱۹۵۶، جلد دوم، ص : ۲۲۸
۵۔ ایچ آئی وی کی روک تھام میں دینی رہنماؤں کا کردار، دوسری اشاعت، جاری کردہ نیشنل ایڈز کنٹرول پروگرام حکومت پاکستان، ص : ۲
۶۔ قرآن حکیم، سورۂ اعراف (۷)، آیات : ۸۰ تا ۸۴۔ مزید دیکھئے سورۂ اعراف (۷)، آیات : ۵۴ تا ۵۶
۷۔ قرآن حکیم، سورۂ ہود (۱۱)، آیت : ۸۲، نیز دیکھئے سورۂ حجر (۱۵)، آیت : ۷۴
۸۔ قرآن حکیم، سورۂ بنی اسرائیل (۱۷)، آیت : ۳۲
۹۔ ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل، مسند احمد، مسند بنی ہاشم، رقم الحدیث : ۲۷۶۳
۱۰۔ بیہقی، احمد بن حسین بن علی ابوبکر، السنن الکبریٰ، ۵ جلد، دار المعرفۃ، طبع اول ۱۳۵۴، جلد ۸، صفحہ ۲۳۲
۱۱۔ حوالہ بالا
۱۲۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، شرح الفقایہ، کراچی، ایچ ایم سعید، جلد دوم، صفحہ ۳۸۵
۱۳۔ الحصکفی، محمد بن علی بن محمد علاء الدین، در مختار برحاشیہ رد المختار، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، جلد سوم، صفحہ ۱۷۱
۱۴۔ اوزجندی، حسین بن منصور، فتاویٰ خانیہ برحاشیہ فتاویٰ عالمگیری، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، جلد سوم، ص : ۳۶۹
۱۵۔ الحصکفی، محمد بن علی بن محمد علاء الدین، در مختار برحاشیہ رد المختار، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، جلد سوم، صفحہ ۱۷۱
۱۶۔ قرآن حکیم، سورۂ انفال (۸)، آیت : ۲۵
۱۷۔ قرآن حکیم، سورۂ زلزال (۹۹)، آیات : ۷، ۸
۱۸۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ابو عیسیٰ، جامع ترمذی، ملتان، فاروقی کتب خانہ، ص : ۲۵، ج : دوم
۱۹۔ قشیری، مسلم بن حجاج امام المحدثین، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ ۱۹۵۶، ص : ۲۵، ج : دوم
۲۰۔ قرآن حکیم، سورۂ مائدہ (۵)، آیت : ۲
۲۱۔ حاکم، محمد بن عبداللہ ابو عبداللہ نیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۰، ص : ۴۴۳، ج : ۳۰
۲۲۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ابو عیسیٰ، جامع ترمذی، ملتان، فاروقی کتب خانہ، ص : ۳۰، ۴۷، ج : دوم
۲۳۔ قرآن حکیم، سورۂ نجم (۵۳)، آیت : ۳۹
۲۴۔ قشیری، مسلم بن حجاج امام المحدثین، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ ۱۹۵۶، ص : ۳۳۰، ج : دوم
۲۵۔ قرآن حکیم، سورۂ فرقان (۲۵)، آیت : ۲
۲۶۔ ابو عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی، ملتان، فاروقی کتب خانہ، ص : ۳۷، ج : دوم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۷ نووی شرف الدین یحیٰ ،شرح صحیح مسلم ،کراچی ،قدیمی کتب خانہ،۱۹۵۶ء،ص ۳۲۹، ج: دوم
۲۸ قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین صحیح مسلم ،کراچی ،قدیمی کتب خانہ،۱۹۵۶ء،ص: ۳۳۰ ،ج: دوم
۲۹ قرآن حکیم ، سورۂ نحل (۱۶) ، آیت : ۴۰
۳۰ ابو عیسیٰ ترمذی ، جامع ترمذی ،ملتان ، فاروقی کتب خانہ ۔ ص ۳۳ ، ج: اول
۳۱ شاشی نظام الدین ، اصول الشاشی ، ملتان ، مکتبہ امدادیہ ،ص ۸
۳۲ ابو عیسیٰ ترمذی ، جامع ترمذی ،ملتان ، فاروقی کتب خانہ ۔ ص: ۳۱ ، ج: دوم
۳۳ حوالہ بالا
۳۴ قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین صحیح مسلم ،کراچی ،قدیمی کتب خانہ،۱۹۵۶ء،ص: ۳۳۰ ،ج: دوم
۳۵ بخاری محمد بن اسماعیل ، صحیح بخاری ، کراچی ، قدیمی کتب خانہ ، ۱۹۶۱ ، ص : ۸۵۰ ، ج: دوم
۳۶ قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین صحیح مسلم ،کراچی ،قدیمی کتب خانہ،۱۹۵۶ء،ص: ۳۳۳ ،ج: دوم
۳۷ ابو حفص عمر بن عثمان بن شاھین ، ناسخ الحدیث و منسوخہ ، الزرقاء ، مکتبۃ المنار ، ۱۹۸۸ ، ص: ۴۷۲
۳۸ قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین صحیح مسلم ،کراچی ،قدیمی کتب خانہ،۱۹۵۶ء،ص: ۳۳۸ ،ج: دوم
۳۹ قرآن حکیم ، سورۂ بقرہ (۲) ، آیت : ۱۹۵
۴۰ عسقلانی احمد بن حجر شہاب الدین ، فتح الباری ، مکہ مکرمہ ، مکتبۃ التجاریۃ ، ۱۳۹۳ ، ص : ۱۳۱ ، ج : دوم
۴۱ قرآن حکیم ، سورۂ بنی اسرائیل (۱۷) ، آیت : ۳۶
۴۲ ابو عبداللہ احمد بن محمد حنبل شیبانی امام ، مسند احمد ،بیروت ، دار احیاء التراث العربی ، ۱۹۹۱ ، ص : ۱۳۶ ، ج : اول
۴۳ قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین ، صحیح مسلم ، کراچی ، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۵۶ ، ص: ۳۲۹ ، ج: دوم
۴۴ نووی شرف الدین یحیٰ ، شرح صحیح مسلم ، کراچی ، قدیمی کتب خانہ ۱۹۵۶ ،ص: ۳۲۹ ، ج: دوم
۴۵ مالک انس بن مالک امام ، موطا ، کراچی ، نور محمد ، ص : ۳۹۹
۴۶ نسائی احمد بن شعیب ابو عبد الرحمٰن ، سنن نسائی ، اسلام آباد ، وفاقی وزارت تعلیم ، ۱۹۸۷ ، ص : ۲۴۰ ، ج : اول
۴۷ قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین ، صحیح مسلم ، کراچی ، قدیمی کتب خانہ ۱۹۵۶ ،ص: ۲۸۸ ، ج: اول
۴۸ بخاری محمد بن اسماعیل ، صحیح بخاری ، کراچی ، قدیمی کتب خانہ ، ۱۹۶۱ ، ص : ۷۷۷ ، ج : دوم
۴۹ قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین ، صحیح مسلم ، کراچی ، قدیمی کتب خانہ ۱۹۵۶ ،ص: ۳۱۸ ، ج: دوم
۵۰ بخاری محمد بن اسماعیل ، صحیح بخاری ، کراچی ، قدیمی کتب خانہ ، ۱۹۶۱ ، ص : ۳۲۸ ، ج : اول
۵۱ قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین ، صحیح مسلم ، کراچی ، قدیمی کتب خانہ ۱۹۵۶ ،ص: ۲۲۳ ، ج: دوم
۵۲ بخاری محمد بن اسماعیل ، صحیح بخاری ، کراچی ، قدیمی کتب خانہ ، ۱۹۶۱ ، ص : ۸۴۳،۴۵ ، ج : دوم
۵۳ ابو عیسیٰ ترمذی ، جامع ترمذی ،ملتان ، فاروقی کتب خانہ ۔ ص : ۷۳ ، ج: دوم
۵۴ حوالہ بالا

☆☆

تقویمات اور قدرتی مظاہر

محمد شاہد قریشی
نگران واسسٹنٹ پروفیسر
انسٹیٹیوٹ آف اسپیس اینڈ پلانیٹری ایسٹروفزکس
جامعہ کراچی، کراچی

دنوں، ہفتوں، مہینوں اور سالوں کا حساب رکھنے کے نظام کو تقویم کہا جاتا ہے(1)۔ایک دن ،ایک مہینہ اور ایک سال ایسے دورانیے ہیں جن کا براہ راست تعلق ارض وسماء کی گردشوں سے ہے لہٰذا وقت کی ان اکائیوں کا حساب کتاب رکھنے کے لئے ارض وسماء کی گردشوں کو سمجھنا اور اس کی پیمائش مکمل صحت اور درستگی کے ساتھ کرنا ایک اہم تقویمی مسئلہ ہے۔چاہے روزمرہ معمولات کا سلسلہ ہو یا انجانی بار یک سائنسی معاملات ہوں صحت اور درستگی کا کوئی نہ کوئی معیار متعین کرنا ضروری ہوتا ہے۔

ایک عام فرد کے لئے صرف دنوں کے شمار کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ ایک دن کا دورانیہ ایک طلوع (یا غروب) آفتاب سے اگلے طلوع (یا غروب) آفتاب کو متعین کرے مگر کسی زیادہ دقیق مسئلہ کے لئے یہ دورانیہ معیار نہیں ہوسکتا کیونکہ ایک طلوع آفتاب سے اگلے طلوع آفتاب تک کے دورانیے میں تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے اور یہ تبدیلی ایک سے دوسرے دن تک منٹوں میں ہوتی ہے اور ایک ماہ سے دوسرے ماہ تک ایک گھنٹے سے بھی زیادہ ہوسکتی ہے چنانچہ ایک دن کے دورانیے کے لئے طلوع آفتاب سے اگلے طلوع آفتاب تک معیار نہیں ہوسکتا۔

ایک نصف النہار (عین دوپہر کا وقت جب سورج آسمان پر بلند ترین ہوتا ہے) سے دوسرے نصف النہار تک کا دورانیہ مقابلتاً بہتر معیار ہوسکتا ہے جبکہ اس دورانیے میں ایک دن سے اگلے دن تک صرف چند سیکنڈوں کا فرق پڑتا ہے اور یہ دورانیہ ہر روز لگ بھگ چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے۔اس دورانیے کو ایک شمسی دن (solar day) کہا جاتا ہے(2)۔مگر وقت کا ایسا حساب کتاب جس میں ایک سیکنڈ کی غلطی بھی بہت اہم ہوسکتی ہے ایسے معاملات میں اس دورانیے کو بھی معیار مقرر نہیں کیا جاسکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب ایک عام انسان کے لئے نئے دن کا آغاز طلوع آفتاب کے معیار پر ہی ہوسکتا ہے مگر آج عام زندگی کے بہت سے معمولات سے لے کر گہرے سائنسی معاملات تک دن کے آغاز کے لئے لمحے کا تعین ایک زیادہ غور طلب مسئلہ ہے۔

ایک دن کے دورانیے کے معیار پر یہ بحث اس لئے کی گئی ہے کہ تقویم کے لئے مشاہدات اور فکری گہرائی کی ضرورت کو عیاں کیا جاسکے۔ تقویم کے تعین کے لئے یہ بات اہم ہے کہ کوئی دن، کوئی مہینہ اور کوئی سال کس وقت شروع کیا جائے؟ مہینہ کا آغاز اور سال کا آغاز ہی تقویم کے اصل مسائل تصور کیے جاتے ہیں جبکہ عام طور پر دن کے آغاز کے تعین پر کوئی سوال نہیں اٹھایا جاتا۔ حالانکہ ایک دن کے آغاز کے تعین کی اہمیت بھی اتنی ہی غور طلب ہے جتنی کہ ایک مہینہ یا ایک سال کے آغاز کے تعین کی۔

آج کے معلوم علوم کے مطابق گردش سماوی درحقیقت ہمارے سیارے زمین یا کرۂ ارض ہی کی گردشوں کا مظہر ہے۔ زمین کی گردشیں دو اقسام کی ہیں۔

(۱) زمین کی اپنے محور کے گرد گردش:

اس گردش کی وجہ سے ہمیں سطح زمین سے آسمان کے مشاہدے کے دوران آسمان اور آسمان میں موجود تمام اجرام بشمول چاند (جب وہ نظر آرہا ہو) سورج، سیارے اور ستارے مشرق سے طلوع ہوکر مغرب کی جانب محوِ سفر نظر آتے ہیں اور بالآخر مغرب میں غروب ہوجاتے ہیں یوں زمین کی اپنے محور کے گرد ایک مکمل گردش یا آسمان کی ہمارے گرد ایک مکمل گردش ایک دن کہلاتی ہے یہ دورانیہ سالانہ اوسط کی بنیاد پر متعین کیا گیا ہے اور تمام معاشی اور معاشرتی معاملات میں یہ چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے اور تکنیکی اعتبار سے ایک اوسط شمسی روز (Mean solar day) کہلاتا ہے (2)۔ گذشتہ صدی تک تمام سائنسی معاملات میں یہ دورانیہ وقت کی بنیادی اکائی سمجھا جاتا تھا البتہ گذشتہ چوتھائی صدی سے وقت کی اکائیوں کی اساس جدید نظریہ اضافیت کی وجہ سے ایٹمی وقت سے منسلک کردی گئی ہے اور اوسط شمسی وقت کو ایٹمی وقت کے معیار پر وقتاً فوقتاً ایک "لیپ سیکنڈ" کے اضافہ کے ذریعے درست کیا جاتا ہے (3)۔ اگر کوئی فرد واحد یا کوئی قوم وقت کے ان معیارات کے علم سے بے بہرہ ہے تو جان لیجئے کہ وقت کی کوئی ڈور بھی اس کے ہاتھ میں نہیں رہ سکتی۔

فلکیاتی اعتبار سے دن کا آغاز اوسط شمسی وقت دن کے بارہ بجے سے کیا جاتا ہے اور تمام حسابات میں چاہے ان کا تعلق نظریات سے ہو یا مشاہدات اور تجربات سے دنوں کی گنتی وشمار اسی وقت سے کیا جاتا ہے (2)۔ البتہ سول (Civil) مقاصد کے لئے دن کا آغاز اوسط شمسی وقت کے مطابق

رات بارہ بجے سے کیا جاتا ہے اور اس لمحے کو صفر گھنٹہ (Zero hour) کہا جاتا ہے رائج شمسی تقویم میں بھی دن کا آغاز اسی لمحے یعنی نصفِ شب سے کیا جاتا ہے (2)۔ تمام ممالک میں رائج معیاری وقت کا آغاز بھی اسی لمحے سے کیا جاتا ہے۔ عرض البلد کے پندرہ درجوں کے فرق سے دنیا کو چوبیس زونوں (Zones) میں تقسیم کردیا گیا ہے چنانچہ ہر پندرہ درجہ عرض البلد کے فرق پر معیاری زون وقت (Zone time) میں ایک گھنٹہ کا فرق متعین کردیا گیا ہے۔ ہر دو مسلسل زونز میں نصف شب کا لمحہ ایک گھنٹہ کے فرق سے آتا ہے جب وہاں تاریخ تبدیل ہوتی ہے۔ کرۂ ارض کے مشرقی زونز میں تاریخ کی تبدیلی مغربی زونز سے پہلے واقع ہوتی ہے۔

(۲) زمین کی دوسری گردش:

زمین کی دوسری گردش سورج کے گرد اپنے مدار میں سفر ہے۔ عام طور پر ہم زمین کی سورج کے گرد ایک مکمل گردش کے دورانیے کو ایک سال کہتے ہیں البتہ اس دورانیے کے درست تعین کے نہ ہونے کی وجہ سے شمسی تقویم میں ایک اہم سقم پایا جاتا ہے۔ دو ہزار برس قبل جولین تقویم (Jolian Calendar) کی ابتدا یونانی بادشاہ جولیس سیزر کے زمانے سے ہوئی اس میں شمسی سال کا تعین 365.25 روز کیا گیا (4)۔ اور یہ طے پایا کہ وہ برس جو 4 چار پر مکمل تقسیم نہیں ہوتا 365 روز کا ہوگا ورنہ 366 دن کا ہوگا لہٰذا ہر صدی میں پچیس برس 366 دن کے (لیپ کے سال) اور 75 برس 365 دن کے ہوئے مگر 1582ء میں اس جولین تقویم کو گریگورین تقویم (Gregorian Calendar) سے بدل دیا گیا۔ گریگورین تقویم میں شمسی سال کا دورانیہ 365.24 دن ٹھہرا اور یہ طے پایا کہ چار سو برسوں میں 100 لیپ کے سالوں کی بجائے 97 لیپ کے سال ہوں گے۔ لیپ کے سال کے عام اصول کے علاوہ وہ برس جس میں اکائی اور دھائی کے ہندسے صفر ہوں (یعنی 1700,1800,1900,2000 وغیرہ) اگر وہ چار سو پر تقسیم نہ ہوتے ہوں تو یہ 365 دن کے ہوں گے ورنہ 366 دن کے۔ مگر شمسی تقویم کے اس ارتقائی مرحلہ میں تقویم سے دس دن مکمل طور پر حذف کردیئے گئے اور جمعرات 4 اکتوبر 1582ء کے بعد اگلے روز یعنی جمعہ کی تاریخ 15 اکتوبر 1582ء مقرر ہوئی (4-5)۔ مختلف ممالک اور معاشروں نے اس تبدیلی کا مختلف ادوار میں اطلاق کیا۔ چنانچہ شمسی تقویم کے اس سقم کی وجہ سے مختلف تواریخ میں تاریخوں کا تقابل آج بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔

رائج شمسی تقویم یعنی گریگورین تقویم میں نئے برس کا آغاز 31 دسمبر اور یکم جنوری کی درمیانی شب اوسط شمسی وقت کے مطابق رات بارہ بجے کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ دن اور رات کی طوالت کے اعتبار سے جو تبدیلیاں روز بروز مختلف موسموں میں ہوتی رہتی ہیں ایک معیار ابتداء وہ دن بھی ہوسکتا ہے جس دن، دن اور رات کی طوالت برابر ہوتی ہے۔ اس دن کو eqvinox کہا جاتا ہے (2) مگر ایک سال میں ایسے دو دن ہوتے ہیں ایک لگ بھگ 21 مارچ (Spring Equinox) اور دوسرا لگ بھگ 21 ستمبر (Automal Equinox) کو۔ اس اعتبار سے اگر سال کو دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے یعنی ایک 21 مارچ سے 20 ستمبر (جس دوران دن کی طوالت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رات کی طوالت سے زیادہ ہوتی ہے) اور دوسرا 21 ستمبر سے 20 مارچ تک۔ تو رائج شمسی تقویم میں ایک غیر لیپ سال میں سال کے پہلے نصف میں 184 اور دوسرے نصف میں 181 دن ہوں گے (جبکہ لیپ سال میں پہلے نصف میں 184 اور دوسرے نصف میں 182 دن ہوں گے)

اس طرح کے دو نصف سالوں کی طوالت کا یہ فرق اس بات کو واضح کرتا ہے کہ آسمان کی سالانہ گردش (یا زمین کی سورج کے گرد مداری گردش) کی رفتار یکساں نہیں ہے۔ مارچ سے ستمبر کے دوران یہ گردش سست روی کا شکار رہتی ہے جبکہ ستمبر سے مارچ کے دوران اس میں تیزی رہتی ہے۔ شمسی تقویم میں مہینوں کے دنوں کی تعداد کے تعین کا تعلق اسی فرق سے ہے اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث کے لئے ایک مکمل مضمون درکار ہوگا۔

زمین کی ان دو مختلف گردشوں "محوری گردش" اور "مداری گردش" کی بناء پر ایک دن کے دورانیہ اور ایک برس کے دورانیہ کے تصورات صدیوں ارتقائی مراحل سے گزر کر آج جس مقام پر ہیں اس کے پس منظر میں انتہائی گہری ریاضیاتی، طبیعیاتی، فلکیاتی، نظریاتی اور مشاہداتی کاوشوں کا سمندر موجزن ہے۔

اگر آج (خدانخواستہ) نسل انسانی کسی ایسے حادثے کا شکار ہو جائے کہ علم اور ٹیکنالوجی محفوظ نہ رہے اور انسانوں کی ایک قلیل تعداد زندگی کو رواں دواں رکھنے کے لئے بچ جائے تو اس کے لئے تقویم کے حساب کتاب کے لئے صرف وہی فلکیاتی اور قدرتی مظاہر موجود ہوں گے۔ سورج کا طلوع (غروب) یا نصف النہار اور چاند کی گھٹتی بڑھتی شکلیں اور ان کا دورانیہ !!!

دراصل علم کی تاریخ اور اس کے ارتقاء کے ابتدا میں بھی تقویمی معاملات میں یہی دو قدرتی مظاہر انسانیت کے راہنما تھے۔ انگریزی لفظ month یعنی مہینہ کا مخرج لفظ moon یعنی ماہتاب ہے۔ چنانچہ ہر قدیم تہذیب اور تمام قدیم مذاہب میں اولاً تقویمات کی اساس چاند کی گردش رہی ہے۔ وہ تقویمات جن کی اساس چاند کی گردشیں ہیں قمری تقویم (LUNAR CALENDARS) کہلاتی ہیں۔ البتہ ہر قمری تقویم میں شمسی تقویم کی طرح ایک برس بارہ ماہ پر ہی مشتمل ہوتا ہے۔

چاہے قمری تقویم ہو چاہے شمسی، 12 ماہ کے رواج کا براہ راست تعلق زمین کی سورج کے گرد مدار میں گردش ہے۔ مگر کسی قدیم تہذیب میں زمین کی سورج کے گرد گردش کا تصور براہ راست موجود نہیں تھا۔ ہاں گردش سماوی کے دو مختلف پہلو قدیم ترین فلکیات دانوں اور عام مشاہدین کے لئے بالکل عیاں تھے۔

آسمان کی ایک گردش وہ ہے جس کی بناء پر آسمان پر موجود تمام اجرام مشرق کی جانب سے طلوع ہو کر آسمان پر مغرب کی طرف سفر کرتے ہوئے مغربی افق پر غروب ہوتے نظر آتے ہیں۔ مگر آسمان

کی سالانہ گردش بھی باریک بین مشاہدین کے لئے بالکل واضح تھی۔ اس گردش کا اندازہ اس مشاہدے سے آج بھی با آسانی لگایا جا سکتا ہے کہ ستاروں کے وہ جھرمٹ جو سردیوں کے موسم میں صبح طلوع آفتاب سے پہلے مشرقی آسمان پر طلوع ہوتے ہیں وہی جھرمٹ بہار کے موسم میں نصف شب کے وقت مشرقی آسمان پر طلوع ہوتے ہیں۔ پس سردی کے موسم کے عین وسط سے بہار کے موسم کے عین وسط تک آسمان 90 درجے مغرب کی جانب گردش کر چکا ہوتا ہے۔ چونکہ سورج بھی آسمان ہی کا ایک حصہ ہے لہٰذا وہ بھی آسمان کے ساتھ لگ بھگ تین مہینوں میں 90 درجے مشرق سے مغرب کی جانب گردش کر چکا ہوتا ہے۔

اس سالانہ گردش سماوی کی بنیاد پر ماہرین نجوم نے آسمان کی 12 منزلیں یا بُرج zodaic مقرر کر دیے ہیں (4)۔ ہر منزل 30 درجے پر مشتمل ہے اور سورج ہر منزل میں تقریباً ایک ماہ سفر کرتا ہے۔ ستاروں کے جھرمٹوں کے طلوع اور غروب کے سالانہ حساب کتاب سے ہی اولاً یہ اندازہ لگایا گیا کہ آسمان کی یہ گردش 365 دنوں میں مکمل ہوتی ہے۔ حسابات کی صحت اور درستگی کے معیار میں اضافہ کے ساتھ ساتھ پہلے اس سالانہ گردش سماوی کا دورانیہ 365.25 دن مقرر ہوا اور شمسی تقویم میں لیپ کے سال کا تصور آیا۔ بعد ازاں یہ دورانیہ 365.24 دن مقرر ہوا اور موجودہ گریگورین شمسی تقویم کا رواج ہوا۔ (4)

بابل اور اس سے بھی قدیم تہذیبوں میں یہ تصور موجود تھا کہ بارہ قمری مہینوں کا دورانیہ ایک شمسی سال کے دورانیہ سے تقریباً دس روز کم ہے اسی وجہ سے خالص قمری تقویم اور خالص شمسی تقویم کے علاوہ ہمیں تاریخ میں "قمر شمسی تقویم" (LUNI-SOLAR CALENDAR) بھی ملتے ہیں اس قسم کی تقویم میں قمری تقویم کو شمسی تقویم کے برابر رکھنے کے لئے دس یا گیارہ دنوں کا ایک تیرہواں مہینہ شامل کر لیا جاتا تھا (1) اس قسم کی ایک اور تقویم میں بارہ مہینوں کے تین قمری سال گزرنے کے بعد چوتھے قمری سال میں ایک مکمل قمری مہینے کا اضافہ کر کے 13 قمری مہینوں کا ایک قمری سال بنا لیا جاتا تھا۔ اس اضافی قمری مہینے کو آپ ایک قمری لیپ مہینہ کہہ سکتے ہیں۔ (4)

شمسی تقویم کے ارتقاء کے سلسلے میں آسمان کی سالانہ گردش کا ذکر کیا گیا، اس سے عیاں ہوتا ہے کہ کرۂ ارض پر کسی بھی مقام پر موسموں کی تبدیلی ایک دوری (periodic) مظہر ہے اور تمام موسموں کی تبدیلی کا ایک مکمل دور (period) ہی دراصل ایک شمسی سال ہے۔ انسانی تاریخ میں زراعت اوّلاً سب سے اہم معاشی اور معاشرتی معاملہ رہا ہے اور انسانی معاشرت میں مختلف موسم مختلف اہم معاملات سے منسلک رہے ہیں۔ اسی بناء پر موسموں کی تبدیلی کا ایک مکمل دورانیہ تقویمات کیلئے اہمیت اختیار کرتا چلا گیا۔ خالص قمری تقویم موسموں کے دورانیہ سے آزاد ہونے کی وجہ سے معاشی اور معاشرتی معاملات سے دور ہوتی چلی گئی۔ قمر شمسی تقویم (ہر سال دس گیارہ دنوں کے اضافی تیرھویں مہینے یا ہر چار سال بعد ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مکمل اضافی تیرھویں مہینے کی ضرورت کی پیچیدگی کی وجہ سے) عام استعمال میں زیادہ عرصہ رائج نہ رہ سکی۔

مختلف مذاہب اور ادیان نے انسانی معاشرت پر جو گہرے اثرات مرتب کئے ان میں سے ایک تقویم بھی ہے۔ تقویم کے معاملات اسی وجہ سے مذاہب اور ادیان کے رہنماؤں اور علماء کے کنٹرول میں رہے ہیں۔ یا تو یہ راہنمایان مذاہب خود علم نجوم کے ماہر تھے یا انہوں نے وقت کے عظیم ماہرین نجوم کی خدمات حاصل کیں۔ مگر یہ طے ہے اور درج بالا بحث سے بھی واضح ہو چکا ہے کہ چاہے شمسی تقویم کے معاملات ہوں یا قمر شمسی تقویم کے تقویمی معاملات عمومی طور پر ماہرین نجوم کی مہارت کے تابع رہے ہیں۔

گزشتہ بحث سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ خالص قمری تقویم مشاہداتی اعتبار سے ایک عام انسان کو ماہرین نجوم کے اتباع سے آزاد کر دیتی ہے۔ کیونکہ دنوں کا شمار طلوع یا غروب آفتاب سے اور مہینوں کا شمار چاند کی گھٹتی بڑھتی شکلوں کے دورانیہ سے کرنا ہر عام انسان کی دسترس میں ہے۔ علم ٹیکنالوجی اور باریک حساب کتاب کی اہلیت ہو یا نہ ہو یہ دونوں قدرتی مظاہر انسانیت کے لئے راہنمائی کرتے رہیں گے۔ خالص شمسی تقویم کی طرح نہ تو قمری تقویم سے کچھ تاریخوں کو مکمل طور پر حذف کرنے کی ضرورت پیش آئے گی اور نہ ہی قمر شمسی تقویمات کی طرح آدھے یا پورے اضافی مہینہ کی ضرورت ہے۔

اس مضمون میں ہم نے تقویم سے متعلق بنیادی فلکیاتی مظاہر پر مختصر گفتگو پیش کرتے ہوئے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ تقویم کے معاملات کی اساس کیا ہے؟ اور خالص شمسی تقویم کی اہمیت کیا ہے؟ یا قمر شمسی تقویم کی پیچیدگیوں کے مختلف پہلو کیا ہیں؟ اسی تناظر میں تقویم کا ماہرین علم نجوم کے تابع رہنا اور ایک عام انسان کے لئے خالص قمری تقویم کی افادیت یہ دونوں پہلو واضح کر دیئے ہیں۔ اسی سلسلے کے اگلے مضمون میں انشاء اللہ قمری تقویم کے فلکیاتی پہلوؤں، تاریخ اور جدید فلکیاتی نظریات پر سیر حاصل بحث پیش کی جائے گی۔

کتابیات

1- Dogget .LE, "Caleidars", Explanatory Supplement to the Astronomical Almanac, P.K.Deildman,ed, University Science Books, Mill Valley , Ca, pp. 575-608.

2- Smart, W.M, " Text-Book on Spherical astronomy", Cambridge University press, London, 1962.

3- Notes on time Scales, Astronomical Almanac,

U.S.Govt. Printing office Washington, 2004.

4- Reingold , E.M and Dershowitz, N, "Calendrical Calculations; Millenium Edition. "Cambridge University" Press. Cambridge , UK, 2001.

5- Chapront-Touze,M. and Chapront, J, "Lunar Tables and Progrems", Willman-Bell, Inc. Virginia, US, 1991.

☆☆

مقالہ نگاروں کے لیے خصوصی ہدایات واطلاعات

۱۔ مقالات علمی، فکری اور تحقیقی نوعیت کے ہونے چاہئیں۔
۲۔ مقالات فل سکیپ سائز کے اوراق پر کاغذ کے صرف ایک طرف خوشخطی سے لکھے جائیں۔
۳۔ کمپوزڈ مقالے مع سی ڈیز کے قابل ترجیح ہوں گے۔
۴۔ بہتر ہوگا کہ مقالے کی اصل کاپی کے ساتھ دو نقول بھی ارسال فرمائیں۔
۵۔ مقالات ریفریز کی مثبت رپورٹ کے بعد شائع کیے جائیں گے۔
۶۔ مقالہ نگار حضرات پہلے سے شائع شدہ مقالات و مضامین ہرگز نہ بھیجیں۔ ورنہ ان کے مضامین کی اشاعت آئندہ کے لیے روک دی جائے گی۔

خصوصی نوٹ:
مجلس تفسیر بعض نامور علماء و مشاہیر اساتذہ کے جو علمی، فکری و تحقیقی مضامین منتخب کر کے شائع کرتی ہے وہ دراصل علمی و دینی خدمت کے پیش نظر ایسا کرتی ہے۔ مجلس التفسیر یہ سمجھتی ہے کہ بجائے غیر معیاری مضامین و مقالات سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ پرانے مگر معیاری مضامین شائع کیے جائیں۔ ہمارے اس جذبہ کو ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ (انڈیا) نے اپنی مئی ۲۰۰۵ء کی اشاعت میں سراہا ہے۔ مجلس اس پسندیدگی پر ان کی شکر گزار ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایچ آئی وی ، ایڈز اور ہماری نوجوان نسل

ڈاکٹر تاج محمد
وائٹ ہاؤس گرامر اسکول، گلشن اقبال بلاک نمبر ۳ کراچی

نوجوانوں کو ایچ آئی وی / ایڈز سے بچانے کا معاملہ آج کے دور کا ایک اہم ترین اور سنگین بین الاقوامی موضوع ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ اس پہلو پر خصوصی توجہ دی جائے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہی کہی جا سکتی ہے کہ آج ہمارے نوجوانوں کی حالت زار نے ان میں اس موذی اور مہلک مرض کے پھیلاؤ کے امکانات کو بہت زیادہ کر دیا ہے۔ نوجوان مستقبل کے معمار ہوتے ہیں۔ مگر نوجوان کہہ کر ہم اپنے معاشرے کا جو طبقہ مراد لیتے ہیں، از روئے شریعت ان کی ذمہ داریاں صرف مستقبل پر ہی موقوف نہیں ہیں۔ یہ لوگ فی الحال بھی اپنی زندگیاں شریعت کے سانچے میں ڈھالنے اور اس کے مطابق بسر کرنے کے اصولی طور پر پابند ہیں۔

بین الاقوامی سطح پر مسلمہ اصولوں کی روشنی میں ۱۵ سے ۲۴ سال کی عمر کے افراد نوجوان کہلاتے ہیں۔ ۱۵ سال کی عمر سے ہی تخمینی طور پر سن بلوغ شروع ہو جاتا ہے۔ اور یہی وہ حد ہے جسے عبور کرتے ہی شریعت اسلامی کے تحت جملہ انسانی حقوق اور فرائض لازم ہو جاتے ہیں۔ البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اپنی مذہبی، اخلاقی اور سماجی ذمہ داریوں سے بیگانگی اور لاتعلقی کا رجحان بھی سب سے زیادہ اسی طبقے میں پایا جاتا ہے۔

بہرحال ہمیں اس طبقے سے شکوے کم اور ہمدردیاں زیادہ ہیں۔ یہ طبقہ اہل خرد کی توجہ کا سب سے زیادہ حقدار بھی ہے اور طالب بھی۔ نوجوان تو نادان و ناتجربہ کار ہوتے ہیں۔ انہیں مناسب توجہ اور رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ بقول پروین شاکر

یہ سر اٹھائیں کیا انہیں کسی پہ مان ہی نہیں — کسی کا پیار ان کے حوصلوں کی جان ہی نہیں

ہم ان سے شکایت کریں تو کیسے کہ ان کے معاملے میں بڑوں کی بے توجہی اور کسی حد تک لاتعلقی، بے جا تحکم اور ان کو ابھی اور اسی وقت اپنے جیسا بنا دینے کے ہمارے شوق نے ایسا بنا دیا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ انانیت اور باہمی اعتماد کی فضا کو آلودہ کر دینے کے بعد ان نوجوانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینے یا حالات کے حوالے کر دینے اور پلٹ کر نہ دیکھنے کے عمل نے جلتی پر تیل کا کام دے کر

© rasailojaraid.com

صورتحال کو اور زیادہ خراب کر دیا ہے۔ ان کے بارے میں اپنے ایک دانا کا احساس ملاحظہ کیجئے

میرے بیٹے نے آنکھیں اک نئی دنیا میں کھولی ہیں
اسے وہ خواب کیسے دوں؟
جنہیں تعبیر کرنے میں میری یہ عمر گزری ہے
میری تعظیم کی خاطر وہ ان کو لے تو لے شاید
مگر جو زندگی اس کو ملی ہے اس کے دامن میں
ہمارے عہد کی قدریں تو کیا یادیں بھی کم کم ہیں (۱)

آج جب دنیا میں ایچ آئی وی / ایڈز کی بیماری بہت تیزی سے پھیل رہی ہے، ہمارے چمن کا یہ شاداب حصہ بھی اس کی بجلیوں کی زد سے زیادہ دور اور محفوظ نہیں رہا۔ اعداد و شمار کے مطابق اب تک کے اس بیماری سے متاثرہ افراد میں سب سے زیادہ تعداد نوجوانوں ہی کی ہے۔ ایڈز کی روک تھام کے قومی ادارے کی مہیا کردہ معلومات کے مطابق :

مرض کا شکار ہونے والے لوگوں میں آدھی سے زائد تعداد ۱۵ سے ۲۴ سال تک کی عمر کے نوجوانوں کی ہے۔ ہر متاثرہ لڑکے کے مقابلے میں دو لڑکیاں اس وائرس سے متاثر ہیں (۲)

ادھر یہ بھی ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ ہمارا ماحولیاتی مزاج اور ہمارے معاشرتی حالات بھی کچھ ایسے ہی ہیں اور بیرونی ثقافتی یلغار کے باعث بہت تیزی سے اس رخ پہ جا رہے ہیں کہ اصلاح احوال کی اگر بروقت اور مناسب تدابیر اختیار نہ کی گئیں تو آئندہ دو دہائیوں کے اختتام تک نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد، خاکم بدہن، کسی نہ کسی طرح اس موذی مرض سے متاثر ہو چکی ہوگی۔ یہ نوجوان ہمارا مستقبل ہیں۔ ہماری ساری امیدیں انہیں سے وابستہ ہیں لہٰذا ہم اپنے ہاتھوں ان کو تاریکیوں کے سپرد کسی طرح نہیں کر سکتے۔

عام طور پر ہم لوگ یہ کہہ کر نوجوانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کہ "اپنے کئے کے یہ لوگ خود جوابدہ ہیں" اور جیسا کریں گے ویسا ہی بھریں گے وغیرہ وغیرہ۔ اور اس ضمن میں قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ سے عموماً اپنے موقف پر دلیل بھی پیش کی جاتی ہے :

ولا تزر وازرة وزر اخرى (۳)

ترجمہ : اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اس طرح سے ثابت یہ کیا جاتا ہے کہ ہر کوئی اپنے کئے کا خود ذمہ دار ہے۔ ہمارا اس سے کیا واسطہ کہ کوئی اچھا کرتا ہے یا برا۔ جو کچھ آج بوئے گا کل خود کاٹے گا۔ مگر آیت مبارکہ کے اس حصے کو اس کے سیاق و سباق سے جدا کرنے کے نتیجے میں یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ پوری آیت مبارکہ ملاحظہ فرمایئے:

من اهتدى فانما يهتدي لنفسه ج ومن ضل فانما يضل عليها ط
ولا تزر وازرة وزر اخرى ط وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا (۴)

ترجمہ: جو کوئی بھی سیدھی راہ چلے گا اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو گمراہی کو اختیار کرے گا وہ اس کا وبال اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی او پر لائے گا، کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور ہم جب تک (ہدایت و گمراہی کا فرق سمجھانے سکھانے کے لئے) رسول نہ بھیج لیں کسی پر عذاب لازم نہیں کرتے۔

اس آیت مبارکہ کا نفس مضمون خود بتا رہا ہے کہ آپ ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے اور راہ حق پر لانے کیلئے مسلسل اور متواتر جدوجہد فرمائی۔ آپ ﷺ کی جانفشانی کا عالم یہ تھا کہ اس کیفیت کے خصوصی تذکرے کے ساتھ بارگاہ ایزدی سے تحسین و تسلی پر مبنی آیت مبارکہ نازل ہوگئی۔ اور یہ سند بھی مل گئی کہ آپ ﷺ نے تبلیغ حق کا حق پورا پورا ادا کر دیا:

فلعلک باخع نفسک علیٰ آثارھم ان لم یؤمنوا بھٰذا الحدیث اسفا (۵)

ترجمہ: تو اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائے تو آپ ان کی خاطر غم کے مارے شاید ہی جاں سے گزر جائیں گے۔

آپ ﷺ نے تبلیغ حق اور تعمیر انسانیت کے لئے شبانہ روز محنت فرمائی۔ لوگوں کی سیرت و کردار کو نئی اور صالح بنیادوں پر استوار فرمایا۔ اس راہ میں بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کیا۔ آپ ﷺ پر پتھر برسائے گئے۔ آوازے کسے گئے۔ راہوں میں کانٹے بچھائے گئے۔ تبلیغ کا اثر زائل کرنے کے لئے طرح طرح کی سازشیں کی گئیں۔ مگر آپ ﷺ نے گالیاں سن کر بھی دعائیں ہی دیں۔ شرپسند اور اوباش لوگوں نے آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کا جینا دوبھر کر دیا تو ان مومنین کو بھی صبر و حوصلہ کی تلقین فرمائی اور اپنی آغوش رحمت میں پناہ دیئے رکھی۔ آپ ﷺ کے عہد کے حالات و واقعات پر ایک نظر ڈال کر ایک عام سمجھ بوجھ کا حامل شخص بھی بآسانی اندازہ کر سکتا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے اپنی مساعی جمیلہ سے حجت تمام کر دی تھی۔ جب بارگاہ ایزدی سے بھی آپ ﷺ کی کاوشوں کو قبول و تحسین کی سند مل گئی تو پھر بھی جو شخص اپنی غلط کاریوں سے باز نہ آیا وہ تو اپنے کئے کا یقیناً خود ذمہ دار ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیت مبارکہ ایک رہنما اصول مہیا کرتی ہے:

لا اکراہ فی الدین قف قد تبین الرشد من الغی ج فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن م باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ ق لا انفصام لھا ط واللہ سمیع علیم (۶)

ترجمہ: دین کے معاملے میں زور زبردستی بیکار ہے۔ راہ حق، گمراہی سے ممتاز ہوگئی ہے۔ تو جو کوئی بھی طاغوت کا انکار کرتا اور اللہ پر ایمان لاتا ہے تو یقیناً وہ ایسے مضبوط حلقے سے وابستہ ہو جاتا ہے، جس کے ٹوٹ جانے کا تصور بھی باطل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تو خوب سننے جاننے والا ہے۔

اسی طرح یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حسب ذیل فرمان، اعلان نبوت کی اگلی ہی صبح نازل نہیں فرما دیا گیا تھا کہ

وان تولوا فانما علیک البلاغ (۷)

ترجمہ: اور اگر ان لوگوں نے (پھر بھی) منہ موڑ لیا تو آپ کے ذمہ صرف پیغام رسانی ہی ہے۔

اسی قبیل سے ہے یہ اعلان بھی کہ

اتبع ما اوحی الیک من ربک ج لا الٰہ الا ھو ج واعرض عن المشرکین (۸)

ترجمہ: جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے وحی کیا گیا ہے اسی کی پیروی کرتے رہیے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور مشرکین سے اعراض کیجئے۔

بلکہ ان اعلانات کے پیچھے آپ ﷺ کی برسوں کی محنت شاقہ کارفرما تھی۔ جب آپ ﷺ نے ہر ہر پہلو سے حق کو واضح فرما دیا، حق اور باطل کے درمیان ایک روشن حد فاصل قائم ہوگئی، اور حجت تمام ہوگئی تو پھر جا کر یہ اعلانات منظر عام پر لائے گئے۔ لہٰذا از راہ نیابت ہم بھی جب تک نوجوانوں کے معاملے میں اپنی پیغمبرانہ ذمہ داریاں احسن طریقے پر پوری نہیں کر لیتے، ہمارے لئے گلوخلاصی کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔ بات بات سے بیزاری کا چھینٹا اور ذرا ذرا سی باتوں پر ان سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرنا محض ایک بے تکی سی حرکت ہے اور کچھ نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ فالامیر الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیتہ والرجل راع علی اھل بیتہ وھو مسئول عنھم والمرأۃ راعیۃ علی بیت بعلھا وولدہ وھی مسئولۃ عنھم والعبد راع علی مال سیدہ وھو مسئول عنہ الا فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ (۹)

ترجمہ: خبردار! تم میں سے ہر کوئی، ایک چرواہے کی مانند ہے اور ہر ایک سے اس کے ریوڑ یعنی ماتحت افراد کے معاملے میں بازپرس ہوگی۔ یوں ایک حکمران اپنی رعایا کا ذمہ دار اور ان کی طرف سے جواب دہ ہوگا۔ مرد اپنے اہل خانہ کے معاملے میں ذمہ دار اور ان کی طرف سے جواب دہ ہوگا۔ عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کے معاملے میں ذمہ دار اور جواب دہ ہوگی۔ ایک خادم اپنے آقا کے مال کے معاملے میں ذمہ دار اور جواب دہ ہوگا۔ اس لئے خبردار! تم میں سے ہر کوئی، ایک چرواہے کی مانند ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحت افراد کے معاملے میں بازپرس ہوگی۔

اس حدیث پاک سے مسلم معاشرت اور نظم اجتماعی کی ایک شاندار روایت میسر آتی ہے۔ ہر بڑا اپنے چھوٹوں کے معاملے میں بارگاہ ایزدی میں جوابدہ قرار پاتا ہے۔ اور اس بات کا پابند ہو جاتا ہے کہ معاشرتی اقدار کا بار امانت احسن طریقے پر نئی اور نوخیز نسل کو منتقل کرے۔ جو قومیں اپنی نئی اور آئندہ نسلوں کا مستقبل بھی ہمیشہ اپنی نگاہوں میں رکھتی ہیں وہی تعمیر و ترقی کی منازل بھی طے کرتی ہیں اور طویل عرصے تک زندہ بھی رہتی ہیں۔ پھر جب ان کا دھیان ادھر ادھر ہو جاتا ہے تو وہ خود بھی وقت کے ساتھ ساتھ ادھر ادھر ہو جایا کرتی ہیں۔ ایسی قومیں اپنے نوجوانوں کو زمانے کی سختیوں سے بچانا اپنا فرض سمجھتی ہیں۔ بالخصوص ماں باپ تو اپنے بچوں کے آگے ڈھال بن کر ان کو حوادث زمانہ سے محفوظ رکھا کرتے ہیں۔ نوجوانوں کو ایڈز کی اس آگ سے دور اور محفوظ رکھنا یوں تو ایک ذمہ دار اور شعور و ادراک رکھنے والے ہر شہری کا فرض ہے۔ مگر ایک مثالی فلاحی معاشرے کے قیام کیلئے نوجوانوں کی اصلاح و فلاح اور ان کی کردار سازی کے بنیادی ذمہ داری والدین پر عائد ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی اولاد کی اچھی تربیت اور ان کو راہِ راست پر رکھنا ماں باپ کے حق میں فرضِ عین کا درجہ رکھتا ہے۔ ہر مہذب معاشرے میں اس فرض کو ایک بنیادی اور مسلمہ عقیدے کا درجہ حاصل ہے۔ ماں باپ کی اس ضمن میں کارکردگی پر خاندان کے بڑے بوڑھے اور بزرگ، جو جہاں دیدہ اور تجربہ کار بھی ہوتے ہیں، گہری نظر رکھتے اور بوقتِ ضرورت مناسب رہنمائی بھی مہیا کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح معاشرتی ترقی کا سفر بھی جاری رہتا ہے اور سماجی اقدار بھی زیادہ متاثر نہیں ہوتیں۔ اگر ہمارے یہاں کے والدین اور خاندانی بزرگ بھی اپنی اپنی سماجی ذمہ داریوں کا پاس کرنے اور لحاظ رکھنے لگ جائیں تو آج ہمارے سامنے یہ بے تحاشا مسائل کے جو انبار لگے ہیں، محض چند برسوں میں یہ صابن کی جھاگ کی طرح بیٹھتے نظر آئیں گے۔ مگر ہمارے ماحول و معاشرے میں اکثریت اپنی ذمہ داریاں پوری کرتی نظر نہیں آتی یا کسی وجہ سے پوری نہیں کرپاتی۔ یہ کمزوری ہماری بے شمار معاشرتی برائیوں اور خرابیوں کی اصل جڑ ہے۔

ایک طرف زمانہ اپنی رفتار سے آگے کو بڑھ رہا ہے۔ نت نئی ایجادات منظرِ عام پر آرہی ہیں۔ فحاشی و عریانی کا ایک سیلاب سامنے آیا ہے۔ دوسرے ہاتھ پر والدین اپنے بچوں کی سرگرمیوں سے غافل یا بے نیاز۔ سارا سارا دن گھر سے باہر رہنا، آوارہ گھومنا ہمارے نوجوانوں کی عادت سی بنتی جارہی ہے۔ ذہن کھلا اور خالی ہو تو فارسی کی یہ کہاوت صادق آتی ہے کہ "خانہ خالی را دیو می گیرد" یعنی گھر خالی رہے تو اس پر جن قابض ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں کے سونے جاگنے کے اوقات بھی کسی قاعدے قانون یا فطرت سے ہم آہنگ نہیں رہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وجعلنا النوم سباتا ، وجعلنا الیل لباسا وجعلنا النہار معاشا (۱۰)

ترجمہ: ہم نے نیند کو سکون آور رات کو پردہ پوش اور دن کو ہم نے معاش کے لئے بنایا ہے۔

مگر دن کو دیر تک سوئے رہنے کے نتیجے میں اگلی رات دیر تک نیند ہی نہیں لگتی۔ کئی جگہ تو ماں باپ بھی انہیں دروازے سے باہر نکال کر خود سو جاتے ہیں۔ اور نوجوانوں کی ٹولیاں رات گئے تک گلی کی نکڑ پہ بیٹھی آزادانہ گپیں ہانکتی رہتی ہیں۔ یہ سرگرمیاں ان علاقوں میں زیادہ پائی جاتی ہیں جہاں کے لوگ زیادہ خوش حال اور آسودہ نہیں ہیں۔ اور جہاں کے نوجوانوں کا فارغ وقت کسبِ معاش میں لگنا چاہئے۔ والدین اور خاندانی بزرگوں کی زندگی کا لازمی فریضہ اور بنیادی وظیفہ ان نوجوانوں کی پرورش اور مناسب تربیت ہے۔ یہ بچے اپنے گھریلو حالات اور خاندانی مزاج کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اور اپنے بزرگوں کا چلتا پھرتا تعارف ہوتے ہیں۔ ان پر وہی عکس ابھرتا ہے جو ان کے پس منظر میں موجود ہوتا ہے۔ جملہ سماجی قوتوں میں سے والدین اور ان کے خاندان سے تعلق رکھنے والے بڑے بوڑھے جس بہتر انداز سے نوجوانوں پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور انہیں سدھار کر راہِ حق پر لا سکتے ہیں، کسی اور کے لئے ایسا کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ ان کے لئے تو یہ بھی دشوار نہیں کہ اپنے اور معاملات و معمولاتِ حیات کو بھی حسبِ معمول جاری و ساری رکھتے ہوئے ان پر بھی نگاہ رکھ لیں۔ جبکہ دیگر افراد یا اداروں کو وقت اور سرمائے کے بے تحاشا استعمال سے بھی یہ مقاصد پوری طرح حاصل نہیں ہو سکتے۔ حضور رسولِ اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

ما نحل والد ولدا من نحل افضل من ادب حسن (۱۱)

ترجمہ: کوئی باپ کسی بچے کو اچھی تربیت سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دے سکتا۔

والدین اور خاندانی بزرگوں کی ذمہ داریاں یوں بھی کئی گنا بڑھ جاتی ہیں کہ بچہ جس حالت میں ان کو عطا ہوا وہ مکمل معصومیت کی حالت تھی۔ اس کا سیدھا کردار و عمل بالکل صاف اور شفاف تھا۔ الہامی ہدایت کے ضابطوں کی موجودگی کے ساتھ ساتھ صحیح اور غلط راہوں کی تشخیص و تعین کے لئے انہیں قدرت نے عقلِ سلیم کی نعمت بھی عطا کی۔ پھر ایک ننھی منی سی جان ان کے سپرد کرکے اس کی تعمیر و تربیت کرنے اور اس پر اثر انداز ہو کر اس کو اپنی مرضی کے سانچوں میں ڈھالنے کی مکمل آزادی بھی عطا کی ہے۔ تو انہیں یہ سوچنا چاہئے کہ وہ اپنے بچوں کو کیا اور کیسا بنا رہے ہیں؟ اور ایک مسلمان ہونے کے ناطے انہیں ان کو کیسا بنانا چاہئے؟ یہ وہ ذمہ داری ہے کہ کسی ماں یا باپ کے لئے اس سے فرار اور روگردانی ممکن نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ (۱۲)

ترجمہ: ہر بچہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔

اور جو کچھ بھی بناتے ہیں اپنے لئے ہی بناتے ہیں۔ اور اپنا ایک مجسم تعارف چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔ اچھی اور بہترین تعلیم و تربیت سے آراستہ اولاد چھوڑ کر جاتے ہیں تو ان کے لئے ایک صدقۂ جاریہ ہے۔ اور اگر خدانخواستہ بری اور بدتہذیب اولاد چھوڑ کر چلے گئے تو معاشرے کو تو صدمہ پہنچے گا ہی، خود ان کے اعمال نامے کی سیاہی بھی بڑھتی ہی چلی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تبارک الذی بیدہ الملک ز وھو علیٰ کل شیء قدیر ○ الذی خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم أیکم احسن عملا ط وھو العزیز الغفور (۱۳)

ترجمہ: بہت برکتوں والی ہے وہ ذات کہ جس کے قبضہ میں پوری کائنات کی مملکت ہے، اور ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ وہی ذات جس نے موت اور حیات کا نظام وضع ہی اس لئے فرمایا تاکہ تمہارا امتحان لے کہ تم میں سے کون بہتر کارکردگی دکھاتا ہے، اور وہ بہت ہی مقتدر اور بخشنے والا ہے۔

جس طرح اور ذی روح فانی ہیں اور ایک نہ ایک دن موت نے ان کو پچھاڑ دینا ہے اسی طرح ہم کو بھی اس مرحلے سے بہرحال گزرنا ہے۔ قدرت کا بنایا ہوا یہ قانون اٹل ہے:

کل نفس ذائقۃ الموت ط وانما توفون اجورکم یوم القیمۃ ط فمن زحزح عن النار و أدخل الجنۃ فقد فاز ط وما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور (۱۴)

ترجمہ: ہر نفس نے موت کا مزہ چکھنا ہے، اور تمہیں قیامت کے روز پورا بدلہ دیا جائے گا صرف تمہارے کئے کا ہی، تو جسے آگ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا گیا، وہی کامیاب ہے، اور دنیاوی ساز و سامان تو محض ایک فریب ہے نظر کا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلیم وتربیت کے عمل میں بے شمار خامیوں کے علاوہ ہماری نئی نسل کو ہمارے معاشرے کے لا یعنی رسوم ورواج نے بھی تقریباً نیم جاں کر کے رکھ دیا ہے۔ ہم اپنی نسلوں کی قیمت پر ایسے فرسودہ رسوم ورواج کو گلے سے لگائے بیٹھے ہیں جن کے باعث شادی بیاہ کے عمل میں غیر ضروری تاخیر ہوتی ہے۔ ہمارا یہ طرز عمل کسی طرح بھی اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ نہیں۔ طبی ماہرین کے مطابق بھی ادھیڑ عمری کی شادی نحیف وناتواں بچوں کی ولادت کا باعث ہوتی ہے۔ جب ماں باپ کی اپنی جسمانی توانائیاں ڈھلنے لگ جائیں تو ان کے ہاں جنم لینے والے بچوں کی جسمانی اور ذہنی ساخت اور امراض کے خلاف دفاع کا قدرتی نظام بھی قدرتی طور پر یقیناً کئی طرح کی پیچیدگیاں اور کمزوریاں لے کر آئے گا۔ حضور اکرم ﷺ نے بھی شادی بیاہ میں تاخیر کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ حدیث پاک میں ہے :

عن ابی سعید و ابن عباس رضی الله عنهم قالا قال رسول الله ﷺ من ولد له ولد فليحسن اسمه وادبه فاذا بلغ ولم يزوجه فاصاب اثما فانما اثمه علىٰ ابيه (۱۵)

ترجمہ : حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کسی کے ہاں بچے کی ولادت ہو اسے چاہئے کہ اس کا نام اچھا رکھے اور اس کی اچھی تربیت کرے۔ پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے۔ تو اگر وہ بالغ ہو گیا اور اس نے اس کا نکاح نہ کیا اور وہ کسی گناہ کا مرتکب ہو گیا تو باپ اس کے گناہ کا ذمہ دار ہوگا۔

لڑکیوں کی شادی میں تاخیر کا معاملہ بھی ہمارے یہاں ایک گمبھیر صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ وقت کے گزرنے اور عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کی عادتیں بھی پختہ ہوتی رہتی ہیں۔ بلوغت کے وقت ان کے اندر حالات کو سمجھنے اور اپنے آپ کو ان کے مطابق ڈھال لینے کی جو صلاحیت ہوتی ہے طبیعت میں جوں جوں پختگی آتی جائے گی یہ صلاحیت کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی جائے گی۔ اکثر خاندانوں میں ہونے والی ناچاقیوں کا باعث اسی صلاحیت کا فقدان ہوتا ہے۔ اور اسی کے باعث بعض بسنے لئے گھر اجڑ بھی جاتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے لڑکیوں کی شادی کے معاملے میں ان کی عمر کا بھی ذکر اور تعین فرمایا ہے

عن عمر بن الخطاب و انس بن مالک عن رسول الله ﷺ قال فی التوراة مكتوب من بلغت ابنته اثنتى عشرة سنة و لم يزوجها فاصابت اثما فاثم ذالک عليه (۱٦)

ترجمہ : حضرت عمر اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ دونوں رسول اللہ ﷺ سے روایت فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی بچی بارہ سال کی ہو گئی اور اس نے اس کا نکاح نہ کیا اور وہ لڑکی اس طرح کے کسی گناہ میں مبتلا ہو گئی تو اس کا گناہ اس کے باپ کے سر ہوگا۔

سرمائے کا بے تحاشا ضیاع ہماری انا کی مرغوب غذا ہے۔ اس دقیانوسی سوچ و فکر نے کئی اور مسائل کھڑے کر دیئے ہیں۔ جہیز کو لعنت کہہ کر بھی ہم اسی کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ آج جو اپنے لڑکے کو

بیاہنے چلا ہے وہ یہ بھول جائے گا کہ آج لڑکی والوں کی اس کے ہاتھوں جو حالت ہوگی کل انہی سکوں میں اسے یہ سارے حسابات اس وقت چکانے اور بے باق کرنے ہوں گے جب اپنی لڑکی کے ہاتھ پیلے کرنے کی اس کی باری آئے گی۔ قدرت نے ہمارے تقریباً ہر گھر کو بیٹوں اور بیٹیوں کے معاملے میں بڑی فیاضی سے نواز رکھا ہے۔ یہ صورتحال اس بات کی غماز ہے کہ ہمارے معاشرے میں شعور کی سطح بہت پست ہے۔

ہم شرم وحیا کے تقاضوں کے منافی خیال کرتے ہوئے اپنے بچوں کو یہ بھی نہیں بتاتے کہ اپنی جنس کے اعتبار سے انہیں کن کن مراحل سے گزرنا ہوگا۔ کوئی بھی بچہ اپنی فطرت میں ان چیزوں سے لاتعلق اور بے خبر نہیں رہ سکتا۔ اگر یہ چیزیں ان کو ہم نہیں بتائیں گے تو بچوں نے کہیں نہ کہیں سے یہ معلومات حاصل تو کرنی ہیں۔ وہ اس معاملے میں اپنے ساتھیوں سے رجوع کریں گے۔ اس طرح کی نادرست اور غیر مستند معلومات کے نقصانات تو اپنی جگہ مگر اس ماحول کا ایک اور بڑا نقصان یہ بھی تو ہے کہ اس طرح ہمارے بچے ہمارے ہمراز نہیں رہیں گے۔ جن کے ہمراز بنیں گے ایک حد تک ان کے زیر اثر چلے جائیں گے۔ اس صورت حالات میں ماں باپ اور ان کی اولاد کے درمیان ایک اور پارٹی حائل ہو جاتی ہے۔ اور ہر بچے کی شخصیت کے دو رخ ہو جاتے ہیں۔ ایک وہ جو ماں باپ اور باقی سب لوگوں کے سامنے ہے اور دوسرا وہ جس سے صرف ان کے ساتھی ہی واقف اور آگاہ ہیں۔ یہی وہ حالات اور اسباب ہیں جو ہمارے معاشرے میں اکثر زیر زمین سرگرمیوں کے فروغ کا سبب اور باعث بنتے ہیں۔ اپنے ہم عمروں اور ساتھیوں کے ہمراز بن کر ان کے رحم وکرم پر چلے جانے کے بعد اب آگے ان کے اپنے نصیب۔ ساتھی اگر اچھا ہے تو یہ بھی اچھے ہیں اور خدانخواستہ اگر وہ برا ہے تو یہ بھی زیادہ دن تک اچھے نہیں رہ سکیں گے۔ اس طرح کے حالات ہوں تو نوجوانوں کو غلط روشوں پر جانے سے بچنے کی محض تلقین کافی نہیں ہوتی۔ یہ مانا کہ فحاشی وعریانی میں طغیانی آ گئی ہے۔ علامہ اقبال نے تو بہت پہلے کہہ دیا تھا۔

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدار یار ہوگا   سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا (۱۷)

مگر یہ سب زمانے کی فطری ارتقائی چال کا نتیجہ ہے۔ جس کے جواب میں ہم نے اب تک حتی طرز عمل ہی اپنائے رکھا اور بے کار میں اپنی توانائیاں ضائع کرتے رہے۔

ریڈیو ٹرانسسٹر کی ایجاد پر ہمارا ردعمل یہ تھا کہ "شیطان بول پڑا ہے۔ اسے اپنے گھروں تک مت آنے دو" ٹی وی اپنے ساتھ تصویر بھی لایا تھا اس لئے اس کی مخالفت کیلئے قدرے مضبوط بنیاد میسر آ گئی۔ ایک مذہبی رہنما نے اسے "مجسم بتین" تک کہا۔ آج نہ صرف اسے قبول کر لیا گیا ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ گلے لگا لیا گیا ہے۔ زمانے نے جب بھی اپنا کوئی نیا پتا کھولا ہم نے اس کے خلاف کرامت تو فوراً ہی کس لی مگر جلد ہی ڈھیلے پڑ گئے۔ آج بھی ہم اسی تجربے کو دہرانے میں مصروف ہیں۔ یہ طرز عمل غیر فطری سا ہے۔ ایک معالج جب دیکھتا ہے کہ مریض پرانے نسخے کا عادی ہو گیا ہے اور اس کی قوت مدافعت دوا کو اثر دکھانے نہیں دیتی تو زیادہ طاقتور نسخہ تجویز کر دیتا ہے۔ لہٰذا یہ پیشگوئی کرنا زیادہ مشکل نہیں رہا کہ اس ترکش کا اگلا تیر یقیناً زیادہ حیران کن اور خطرناک ہوگا۔ برائی یوں بھی اپنے اندر بے پناہ کشش اور جاذبیت رکھتی ہے۔ ایک دانا کے بقول: اگر کوئی کام کرنے کو جی نہ چاہ رہا ہو تو اس کو گناہ فرض کر لو وہ کام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی ہوگا اور مزہ الگ آئے گا۔ بیرونی ثقافتی یلغار نے ہمارے لیے کچھ ایسا ماحول بنا رکھا ہے کہ اس سے بچوں کو دور اور بچائے رکھنا خاصا دشوار کام ہے۔ ان حالات میں جبکہ کارکردگی کی جانچ پڑتال بھی جیتی ہے اور موت کے سائے بھی ہر سر پر منڈلا رہے ہیں، ایک ماں اور باپ پر مشتمل جوڑے کی کارکردگی جانچنے کے لئے ان کی اولاد کے رنگ ڈھنگ دیکھنے سے بہتر طریقہ اور ہو کیا سکتا ہے؟ لہٰذا علامہ اقبال رحمہ اللہ کے بقول

چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں(۱۸)

جب مقصودِ قدرت ہی آزمائش ہے تو نہ صرف یہ کہ اچھائی اور برائی کا وجود ناگزیر ہے بلکہ اچھائی کے اسباب کی نسبت برائی کے اسباب کا زیادہ طاقتور، پرکشش اور پر اثر ہونا بھی ضروری ہے۔ تبھی تو صحیح طرح سے حوصلوں کی آزمائش ہو سکے گی۔ اور اچھے اور برے کردار نمایاں ہو سکیں گے۔ آج ریڈیو کی مخالفت "چائے کی پیالی میں طوفان" سے زیادہ نہیں لگتی۔ ممکن ہے آنے والے دنوں میں کیبل نیٹ ورک اور انٹرنیٹ کی حیثیت اس سے بھی کم ہو جائے۔ لہٰذا فحاشی و عریانی کے نئے اسباب پیدا ہو گئے ہیں تو ان کے آگے بند باندھنے کی کوششیں بے سود ہیں۔ یقینی طور پر زمانے کا اگلا پڑاؤ اور زیادہ طاقتور اور پر اثر ہوگا۔ جو لوگ ہوا کے ہر جھونکے پر اپنا توازن کھو بیٹھتے ہیں کل قومی ذمہ داریوں کا بارِ گراں کیسے اٹھا پائیں گے؟ تاریخ انسانی کے سب حوالے یہی کہتے ہیں کہ اس وقت اپنے اور اپنے بچوں کے اعصاب مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ بقول شاعر

لوگ تو مجبور ہیں پتھر تو ماریں گے ضرور
کیوں نہ شیشوں سے کہا جائے کہ ٹوٹا نہ کریں

لہٰذا من حیث القوم ہم سب کا فرض ہے کہ اپنی نئی نسل کے شفاف دامن کو ہر برائی کی آلودگی سے بچائیں اور بالخصوص ان کو ایچ آئی وی / ایڈز جیسے موذی، خطرناک اور مہلک مرض کی تباہ کاریوں کی زد سے دور رکھیں۔ بحیثیت استاذ ہمارا مشاہدہ ہے کہ جو والدین اپنے بچوں کو اپنے قریب رکھتے ہیں، ان کو اپنا ہمراز بناتے ہیں اور ان پر اعتماد کرتے ہیں ان کے بچے غلط کاریوں کا شکار نہیں ہوتے اور زمینی فاصلوں کے باوجود اپنے ماں باپ کے قریب ہی رہتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ امجد اسلام امجد، پھر یوں ہوا، لاہور، جہانگیر بکڈپو، فروری ۲۰۰۳ء، ص: ۲۰ و ۲۱
۲۔ ایچ آئی وی کی روک تھام میں دینی رہنماؤں کا کردار، اولین اشاعت، جاری کردہ نیشنل ایڈز کنٹرول پروگرام۔ حکومت پاکستان، ص: ۶
۳۔ قرآن حکیم، بنی اسرائیل، آیت: ۱۵
۴۔ ایضاً
۵۔ قرآن حکیم، سورہ کہف، آیت: ۶
۶۔ قرآن حکیم سورہ بقرہ، آیت: ۲۵۶

۷۔ قرآن حکیم، سورہ آل عمران، آیت: ۳۰
۸۔ قرآن حکیم، سورہ انعام، آیت: ۱۰۶
۹۔ القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۵۶، ص: ۱۳۲، جلد دوم
۱۰۔ قرآن حکیم، ۷۸ : ۸ تا ۱۱
۱۱۔ ترمذی، عیسیٰ بن سورہ ابو عیسیٰ، جامع ترمذی ابواب، البر والصلہ، باب ما جاء فی ادب الولد
۱۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی اولاد المشرکین
۱۳۔ قرآن حکیم، سورہ ملک، آیات: ۱ و ۲
۱۴۔ قرآن حکیم، سورہ آل عمران، آیت: ۱۸۵
۱۵۔ الخطیب، محمد بن عبداللہ العمری التبریزی، مشکوۃ المصابیح، دہلی، مطبع مجتبائی، بلا سن طباعت، ص: ۴۲۱ (بحوالہ شعب الایمان للبیہقی)
۱۶۔ ایضاً
۱۷۔ حکیم الامت محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، لاہور، غلام علی پرنٹرز، اشاعت ہشتم ستمبر ۱۹۸۴ء، ص: ۱۳۰
۱۸۔ ایضاً، ص: ۷۰

☆☆

فکری و تحقیقی نشست کا اہتمام

مجلس التفسیر جامعہ کراچی کے زیر اہتمام ہر انگریزی مہینے کے پہلے اتوار کو صبح دس بجے ایک ماہانہ علمی و فکری و تحقیقی نشست کے اہتمام کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ جس میں اسلام اور اسلام کے تعلق سے پیدا ہونے والی مختلف النوع تحقیقات کو مقالات کی صورت میں پیش کیا جائے گا۔ ہر نشست میں کسی بھی ایک صاحب فکر و نظر اور محقق کو اپنا مقالہ پیش کرنے کی اجازت ہوگی۔ مقالہ پیش کرنے یا اس نشست میں شریک ہونے کے لیے کوئی شرط نہیں ہے۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

مقالہ نگاروں سے گزارش ہے کہ وہ اپنا مقالہ پیش کرنے سے کم از کم ایک ہفتہ قبل مجلس التفسیر کے سربراہ ڈاکٹر شکیل اوج سے رابطہ کر لیں۔ تاکہ مقالہ نگار اور ان کے عنوان مقالہ کی مناسب تشہیر و اشاعت قومی اخبارات کے ذریعے ممکن ہو سکے۔

مجلس میں پیش کیے جانے والے مقالات مجلہ التفسیر میں شائع کیے جائیں گے۔

فکری نشست کا انعقاد C-43 اسٹاف ٹاؤن یونیورسٹی کیمپس جامعہ کراچی میں کیا جائے گا۔

برائے رابطہ: 021-4802368

0300-2236558

ای میل: sascom7@yahoo.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تفسیر المسائل والاحکام

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

تخفیف عذاب کیا ہے؟

سوال: البقرہ/۸۶ میں کہا گیا ہے کہ فلا تخفف عنہم العذاب ۔ان کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی۔ وہ کون لوگ ہوں گے، جن کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور تخفیف عذاب کی شرائط کیا ہیں؟ (غ۔جیم)

جواب: آپ نے جو قرآنی الفاظ لکھے ہیں۔اس میں غلطی ہوگئی ہے۔آپ یقیناً یخفف لکھنا چاہتے ہوں گے مگر سہواً یخفف کی جگہ تخفف لکھ دیا گیا ہے۔ جو یقیناً غلط ہے۔دوسرے یہ کہ آپ نے متذکرہ بالا آیت میں سے ایک محدود مخصوص فقرہ اخذ کر کے پوچھا ہے کہ" وہ کون لوگ ہوں گے، جنکے عذاب میں تخفیف کی جائیگی، جواباً عرض ہے کہ اس آیت میں تخفیفِ عذاب کے امکان یا وقوع کو بیان کرنا مقصودِ کلام نہیں ہے ۔بلکہ عدم امکان یا وقوع کو بیان کرنا منشائے کلام ہے۔

پھر یہ کہ وہ کہ جن کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی، ان کے بارے میں مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ لوگ تو قرآن مجید نے خود ہی بیان کر دیئے ہیں، اگر آپ پوری آیت دیکھتے تو خود جان لیتے ۔بہر حال آپ نے مجھ سے پوچھا ہے تو میں قرآن کی رہنمائی میں تخفیف عذاب کے محرومین یعنی (اشد العذاب کے مستحقین)(البقرہ/۸۵) کی نشاندہی کئے دیتا ہوں۔سب سے پہلے تو وہ آیت ملاحظہ کیجئے جس کا آپ نے اپنے سوال میں حوالہ دیا ہے۔

أولئک الذین اشتروا الحیوۃ الدنیا بالأخرۃ فلا یخفف عنہم العذاب ولا ہم ینصرون ۝ (البقرہ/۸۶)

یہی وہ لوگ ہیں، جنہوں نے آخرت کے بدلے میں دنیا کی زندگی خرید لی ہے، پس نہ اُن پر سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ہی ان کو مدد دی جائیگی۔

آیت میں لفظ أولئک کی بلاغت پر نگاہ رہے تو معلوم ہو جائے گا کہ آخرت کے عوض دنیا خریدنے والے لوگ، کن کن جرائم میں جتلا رہے ہیں۔ انکے لئے آیتِ ماقبل کو دیکھنا ہوگا۔ جسمیں ارشاد ہوا ثم انتم ھؤلاء تقتلون انفسکم وتخرجون فریقاً منکم من دیارھم تظٰھرون علیھم بالاثم والعدوان ط وان یاتوکم أسٰرٰی تُفادوھم وھو محرم علیکم اخراجھم ط افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض ج فما جزآء من یفعل ذلک منکم الاخزیٌ فی الحیوۃ الدنیا ج ویوم القیامۃ یردّون الٰی اشد العذاب ط وما اللہ بغافل عمّا تعملون ۝ (البقرہ/۸۵)

پھر تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنوں کو قتل کر رہے ہو اور اپنے ہی ایک گروہ کو ان کے گھروں سے باہر نکال رہے ہو (اور طرفہ تماشا یہ کہ) ان کی حق تلفی اور زیادتی کے ساتھ، ان کے دشمنوں کی مدد کرتے ہو اور اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آجائیں تو ان کا فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو (تا کہ وہ تمہارے ممنون کرم رہیں) حالانکہ ان کا نکالنا تم پر حرام تھا۔ تو کیا تم کتاب کے بعض حصّوں پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔پس تم میں سے جو شخص ایسا کرے، اسکی کیا سزا ہو سکتی ہے۔ سوائے اس کے کہ دنیا کی زندگی میں ذلت ہو اور قیامت کے دن (ایسے لوگ) سخت ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں۔

یہ آیت چونکہ "ثم" سے شروع ہوئی ہے اور ثم تراخی کے لئے آیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ سلسلہ بیان اوپر سے چل رہا ہے۔اس لئے ہمیں ایک آیت اور اوپر جانا ہوگا اور وہ آیت یہ ہے۔

واذ اخذنا میثاقکم لا تسفکون دمائکم ولا تخرجون انفسکم من دیارکم ثم اقررتم وانتم تشھدون (البقرہ/۸۴)

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے یہ پختہ عہد لیا کہ تم باہم خونریزی نہیں کرو گے اور نہ اپنے لوگوں کو بے وطن کرو گے پھر تم اس کا اقرار بھی کرتے ہو اور خود گواہی بھی دیتے ہو۔

میرے محترم! اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے مجھے ترتیب صعودی کا سہارا لینا پڑا ہے۔ یعنی آیات کو اوپر سے نیچے پڑھنے کی بجائے نیچے سے اوپر کی طرف پڑھنا پڑا۔ اس کو اصطلاحاً سیاق و سباق کہتے ہیں۔ قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے مجھے بارہا ایسا کرنا پڑتا ہے۔

ان آیات کو ایک ساتھ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تخفیف عذاب سے محروم (یعنی اشد العذاب کے مستحقین) افراد کے جو جرائم بیان کیے ہیں۔ وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) اپنوں کو قتل کرنا (تقتلون انفسکم)

(۲) اپنے لوگوں کو ان کے گھروں اور بستیوں سے نکال باہر کرنا (وتخرجون فریقاً منکم من

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیارھم)

(۳) غلط طور پر ایک دوسرے کی مدد اور پشت پناہی کرنا (تظاھرون علیھم بالاثم والعدوان)

اور ان جرائم کے علاوہ ان کا ایک جرم اور بھی ہے۔ جسے بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے۔

(۴) کیا تم کتابِ الٰہی کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے کا انکار کر دیتے ہو؟

اس جرم کو سوالیہ انداز میں نمایاں کرنے کا مطلب ہے کہ یہودیوں کی بربادی اور زوال میں مذکورہ بالا عوامل کے ساتھ ساتھ الٰہی قوانین و احکام میں تعطیل کا عامل بھی خصوصیت کے ساتھ شامل تھا چنانچہ ایسے ہی مجرموں کے لئے جو عذاب مقرر ہوا ہے وہ بلا تخفیف یعنی ہر قسم کی رعایت اور ہمدردی کے بغیر ہے۔

دراصل قرآن پر ایمان رکھنے والوں کے لئے اسمیں درسِ عبرت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ منفی کردار جس قوم کا بھی ہوگا وہ قوم اسی سزا کی مستحق ہوگی جو قرآن میں درج ہے۔

جن لوگوں کے لئے آیت نمبر ۸۶ میں فلا یخفف عنھم العذاب آیا ہے انہی کے لئے آیت نمبر ۸۵ میں و یوم القیامۃ یردون الیٰ اشد العذاب بھی آیا ہے۔ یوں اشد العذاب کے بعد یخفف عنھم العذاب کا مفہوم آپ سے آپ واضح ہو جاتا ہے۔

آپ نے سوال میں یہ بھی پوچھا ہے کہ تخفیفِ عذاب کی شرائط کیا ہیں؟ سو اس کے جواب میں عرض ہے کہ جس درجے کا جرم ہوگا، اسی درجے کا عذاب ہوگا۔ جس طرح جرم میں زیادتی، عذاب میں زیادتی کو مستلزم ہوتی ہے۔ اسی طرح جرم میں کمی بھی عذاب میں کمی کو مستلزم ہوگی۔ یوں تخفیفِ عذاب کا تعلق تخفیفِ جرم سے ہوا۔ اس لئے عذابِ الٰہی سے بچنے کے لئے ہمیں جرم سے بچنا ہوگا۔ یعنی جتنا جرم کم، اتنا عذاب کم۔ اور تخفیفِ عذاب، اسکے علاوہ کسی اور چیز کا نام نہیں۔

مزید یہ کہ پورے قرآن میں کہیں بھی "تخفیفِ عذاب" مثبت معنی میں نہیں آیا۔ جہاں بھی آیا عذاب میں ذرا بھی رعایت نہ دینے کے مفہوم میں آیا۔ اب میں دیگر مقامات سے اسکی تفصیل عرض کئے دیتا ہوں تاکہ نفسِ مسئلہ خوب منشرح و مصرح ہو جائے۔ اور ہر قسم کے مغالطے کے ازالے اور ابہام کی توضیح ہو جائے۔

سورۂ بقرہ میں آیا ہے۔

ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار اولٓئک علیھم لعنۃ اللّٰہ

والملائکۃ والناس اجمعین ○ خالدین فیھا لا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینظرون ○ (البقرہ/۱۶۱-۱۶۲)

بلاشبہ جنہوں نے کفر کیا اور مر گئے۔ دراں حال یہ کہ وہ کافر ہی تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ اور فرشتوں اور لوگوں کی لعنت ہے۔ اس (لعنت) میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور نہ انہیں مہلت دی جائیگی۔

سورہ آلِ عمران میں آیا ہے۔

کیف یھدی اللّٰہ قوماً کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول حق وجاء ھم البینٰت ط واللّٰہ لا یھدی القوم الظالمین ○ اُولٓئک جزآؤھم انّ علیھم لعنۃ اللّٰہ والملائکۃ والناس اجمعین ○ خالدین فیھا لا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینظرون ○ الا الذین تابوا من بعد ذٰلک واصلحوا فان اللّٰہ غفور رحیم ○ (آلِ عمران/۸۶-۸۹)

اللہ ان لوگوں کو کیسے کامیاب کرے، جنہوں نے ایمان کے بعد کفر کیا اور وہ گواہی دیتے ہیں کہ رسول سچا ہے اور ان کے پاس روشن دلیلیں پہنچ چکیں اور اللہ ظالموں کو کامیاب نہیں ہونے دیتا۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ اور فرشتوں اور لوگوں کی لعنت ہے۔ اسی میں ہمیشہ (پڑے) رہیں گے۔ نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائیگی۔ سوائے ان کے کہ جنہوں نے اسکے بعد توبہ کر لی اور خود کو سنوار لیا۔ بے شک ایسوں کے لئے اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

آپ نے دیکھا کہ اس مقام پر بھی لا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینظرون ○ کے وہی الفاظ دہرائے گئے ہیں جو سورہ بقرہ کی مذکورۃ الصدر آیت میں آئے ہیں۔ ان دونوں مقامات پر عذاب میں تخفیف نہ ہونے کا مفہوم، عذابِ مسلسل ہے۔

اسی طرح سورہ نحل میں آیا ہے۔

واذا راء الذین ظلموا العذاب فلا یخفف عنھم ولا ھم ینظرون ○ (النحل/۸۵)

اور جنہوں نے ظلم کیا۔ جب عذاب دیکھیں گے تو وہ نہ ان سے ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔

اور سورہ فاطر میں آیا ہے۔

والذین کفروا لھم نار جھنم ج لا یُقضیٰ علیھم فیموتوا ولا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

يخفف عنهم من عذابها ط كذلك نجزى كل كفور ہ (فاطر/۳۶)

اور جنہوں نے کفر کیا۔ ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے۔ نہ ان کا کام تمام کیا جائے گا کہ مر جائیں اور نہ کچھ جہنم کا عذاب ان سے کم کیا جائے گا۔ ہم ہر ناشکرے کو یونہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

ان دونوں آیات میں بھی عذاب میں کمی نہ ہونے کا مطلب، عذاب میں تسلسل اور تواتر ہے۔ عذاب میں تخفیف نہ ہونے کا مفہوم قرآنی آیات میں اتنی وضاحت اور صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ اس باب میں کسی بھی قسم کا مغالطہ لاحق نہیں ہو سکتا۔

میں نے اس موضوع سے متعلق قرآن مجید میں مذکور تمام آیات آپ کے سامنے رکھ دی ہیں۔ اُمید ہے آپ میرے جواب سے مطمئن ہوں گے۔

............☆☆............

علامہ اقبالؒ نے فرمایا

ایک مدت سے ہم یہ سن رہے ہیں کہ قرآن کامل کتاب ہے۔ اور خود اپنے کمال کا مدعی ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے کمال کو عملی طور پر ثابت کیا جائے۔ سیادت انسانی کے لیے تمام ضروری قواعد اس میں موجود ہیں۔ اور اس میں فلاں فلاں آیات فلاں قواعد کا استخراج ہوتا ہے۔ نیز جو قواعد عبادات یا معاملات سے متعلق (بالخصوص مؤخر الذکر سے متعلق) دیگر اقوام میں اس وقت مروج ہیں ان پر قرآنی نقطہ نگاہ سے تنقید کی جائے اور دکھایا جائے کہ وہ بالکل ناقص ہیں اور ان پر عمل کرنے سے نوع انسانی کبھی سیادت سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتی۔

میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطہ نگاہ سے زمانہ حال کے "جورس پروڈنس" پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا وہی اسلام کا "مجددؔ" ہوگا۔ اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا۔

۱۲ ستمبر ۱۹۲۵ء علامہ اقبالؒ کے ایک خط سے اقتباس

التفسیر اہل علم کی نظر میں

جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خان
سینئر جج وفیڈرل شریعت کورٹ (اسلام آباد)

مکرمی و محترمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

سہ ماہی رسالہ التفسیر کا شمارہ نمبر ۲ (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء) ملاحظہ کیا۔ اور مختلف موضاعات پر دیئے گئے مضامین کو بالاستیعاب پڑھنے کا موقع ملا۔ ماشاء اللہ بہت عمدہ کوشش ہے۔ جسمیں ممتاز محققین نے علمی اور تحقیقی مواد مرتب فرمایا ہے۔ کئی دیگر رسالوں کے برعکس یہ موضوعات محض نظریاتی تفنن طبع کی بجائے زیادہ تر عملی اہمیت کے حامل ہیں۔ جو اس رسالے کی افادیت کی ایک اچھی امتیازی خصوصیت ہے۔ اس نوعیت کے مباحث دورِ حاضر کی ضرورت ہیں میرا اندازہ ہے کہ یہ تحقیقی رسالہ علمی لحاظ سے ایک معتبر مقام حاصل کرے گا اور مختلف موضوعات پر اہل علم کی تسکین و رہنمائی اور فکری ارتقاء کا باعث بنے گا۔ میری دعا ہے کہ اس کا یہ معیار بہتر سے بہتر شکل اختیار کر جائے۔ اور مدیر اعلیٰ ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج کی ان کاوشوں کو ملی احیاء کے لیے کی جانے والی کوششوں میں مؤثر کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

دعا گو

فدا محمد خان

(جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خان)

............☆☆............

© rasailojaraid.com